آیا کبھی نہ ہوش میں اپنی تمام عمر — بیماری وفا بھی عجب مستانہ ہو گیا

عشق میں امتیاز رتبہ نہیں — خاک پائے ایاز ہے محمود

بت سے ہم لیتے ہیں کام حضرت حق — شیخ تک دیکھ اعتقاد ہنوز

دل کو کہیں ہے جی میں گرفتار کیجیے — یعنے کسی صنم کے تئیں پیار کیجیے

گر مانگتا ہے جی کے تئیں دیجیے وفا — کیا چیز ہے کہ جس سے انکار کیجیے

حباب آسا نہ بھول ہستی پر اپنی — کہ غافل کیا بھروسا ہے نفس کا

دکھ نہ دے اس قدر وفا کے تئیں — عاقبت وہ بھی جان رکھتا ہے

یہی غرض کہ ہم تو بھی کچھ سہہ گئے لیک — ہوتی ہے گالیوں سے تمہاری زباں خراب

بسکہ اپنے انقلاب بخت سے ڈرتے ہیں ہم — بستر گل پر بھی لرزاں ہی قدم دھرتے ہیں ہم

کل کا وعدہ اگر کیا بھی اون نے اے محرم تو کیا — یہاں تو بیتابی سے دل کی آج ہی مرتے ہیں ہم

یک راہ کوچۂ زلف سو سربستہ اے وفا — ہم آہ کس طرف کے تئیں پائیں سراغ دل

نوبت غم فراق میں پہنچی ہے جاں تلک — ظالم شکیب پھر بھی آخر کہاں تلک

اس کو منظور یہاں سے جانا تھا — گریہ میرا فقط بہانہ تھا

دل نہ کرتا تھا اس طرح سے خراب — عاقبت وہ ترا ٹھکانا نہ تھا

پھول بہتے لب دریا جو نہ دیکھے ہوں تو آ — ساتھ آنسو کے ہیں یہاں قطرۂ خوں تا بہ رواں

کشت اپنی نہ ہوئے سبز فلک سے کاہے — ہے وفا آٹھ پہر کوچہ دولاب رواں

عدم کے جانے سے کیا حیف ہے عزیزاں گئے — کہ کچھ ادھر ہی کو ہے صبح و شام اپنا بھی

بیچے ہے یک نگاہ پہ دل کیں وفا — لینا ہے گر تمہیں تو کچھ اتنا گراں نہیں

حال دل کیوں نہ کہوں اس سے وفا خلوت میں — جی دھڑکتا ہے کہ کوئی پس دیوار نہ ہو

شعلہ ور ہم باؤ سے ہوتا نہیں اے اہل بزم
شمع سر دھنتی ہے گر کر یاد پروانے کی میں

شیخ کچھ فرق ہے تیرے ہی نظر آنے میں
ورنہ ہے ایک ہی کعبہ و بت خانے میں

کیوں تو کرتا ہے گور سے نفرت
آخر ایک دن وہی ٹھکانا ہے

کس گل تازہ نے اس باغ میں کی جلوہ گری
ہم زر داغ سے جسکے نہ خریدار ہوے

پوچھو ہو کیا کہ حال ترا کس طرح سے ہے
کیا جانتے نہیں ہو میاں جسطرح سے ہے

گل دل کو لیا ٹھگ کے گئے آج
بس آپ کا اعتبار دیکھا

ہے جلوہ گر وہ ہم میں پر آلودگی سے دور
جسطرح عکس آب میں ہو ماہتاب کا

ہوتے تو دل اس پیچ میں گرفتار ہو گیا
اب چھوٹنا یہ زلف سے دشوار ہو گیا

سمجھے شفائی صحت تیری چشم کا وہی
جس کے جگر سے تیر نگہ پار ہو گیا

جب لگ گئی یہ آنکھ میں ناچار ہو گیا

دیکھا تو دل نہ آپ کو مقصود تھا ولیک
کیا بات تھی جو رات وہ بیزار ہو گیا

ایسے مزاج بھی کہیں دیکھیں ہیں با وفا
شغل تھوڑا بھی بھلا ہے بیگاری سے

ہر دم سر وجود دل اسکے گرم فغاں
جو قدم یہاں تو رکھے یار تو ہشیاری سے

کوچہ عشق کی ہے راہ خطرناک و فنا
نکلے ہیں اوس کے کان سے اغیار دم بدم

کچھ خیریت نہیں نظر آتی مجھے کہ آج
ورنہ وہ آفتاب کہاں جلوہ گر نہیں

اپنی ہی چشم کستی تاب نظر نہیں
یہاں کے معاملے سے کسی کو خبر نہیں

حسن عمل پہ اپنے نہ بھول اسعد کہ شیخ
یہ کیا ہے لیکن نرالی ہی کچھ اپنے یار کی

الفت دل کیا زیادہ ہم سے ہے اغیار کے
یارب میں گرا ہوں کس نظر سے

جوں اشک نہ پھر اوٹھا زمین سے
نکلا نہ تمام روز گھر سے

آنے کا میرے وہ سن کے چرچا

قبول تربیت آسانی کند از نثر نویسی نصیبہ وافی اندوختہ با قران و امثال خود
باعزاز و امتیاز بسر می برد از سنجا کہ بسیار مؤدب و مہذب است بلکہ او در خلوت
سرائے دلہا خالی است گاه گاه بایماء فقیر بگفتن ریختہ میگراید و این دو بیت۔

دیکھ اس کے رخ پہ زلف سیہ فام نے لیا — کیا زیب سے ہے کفر نے اسلام سے لیا
بس ہو چکی شفا دل آزار کہیں — اے کاش موت ہو تری بیمار کہیں
کہتا ہوں میں نہ شیخ کہ پڑھتا ہے رو بہ نماز — گر دیکھتا اُس ابرو کے خمدار کہیں
جب تلک ہو کام مژگاں سے تو ابرو بیت — تیر کے ہوتے کبھی کھینچے ہے کوئی تلوار کو

مقبول خاطر ارباب صفا لالہ نول رائے متخلص بوفا جوانیست نوجاستہ بجمیع
صفات آراستہ و پیراستہ جدت ذہن و جودت فہم اصابت رائے و نظافت
مزاج بمرتبہ اتم دارد و ہمین برادرش زادہ گلاب رائے دیوان مدار المہام امیر الامرا
نواب نجیب الدولہ بہادر است و این عزیز بہ تحصیل بعضے پرگنات آن روئے
گنگ نیز اشتغال دارد طلب بر کمال دامنگیر حال اوست گاه گاه دو سہ
مصرع ریختہ بشستگی و رفتگی سر انجام دہد۔

عارض پہ تمہارے یہ پسینا — ہیرے کا ہے لعل پر نگینا
اس غم میں بھی اگر رہا سلامت — پتھر سے بھی سخت ہے یہ سینہ
کہتے ہے کہ کس سے دل اچال اپنا — پڑا ہے یہاں ہمیں جنجال اپنا
خجل ہوں ابر طوفاں بار کتنے — نچوڑوں ٹک اگر رومال اپنا
ہووے گا قتل دیکھے مجھے غم یار کب تلک — کیوں ہمنشیں یہ جاویگا آزار کب تلک
کہنے لگا وہ سن کے میرا نالہ و فغاں — یا رب جیا کرے گا یہ بیمار کب تلک

تنہا نہ اسے فن سخن میں ہے دست — ہر فن میں بفضل تعالی ممتاز

از انجا کہ خلاصہ طبیعتش مآل فقر و قناعت فقیر مواجہ نسبتے خاص دارد آلہی موافق استعداد از نعمت کونین نصیبہ اش باد۔

جستجو سے بخوشی ہاتھ اٹھایا ہم نے — ورنہ کس چیز کو ڈھونڈھا کہ نپایا ہم نے
عشق کے غم سے کوئی عیش مقدم نہ سمجھ — یہ عجب طرح کی شادی ہے اسے غم نہ سمجھ
جان تو حاضر ہے اگر چاہیئے — دل بھی دینے کو جگر چاہیئے

آرام رائے پریم ناتھ نام خلف الرشید رائے کشن ناتھ از قوم کھتری امہت ظاہر حالش چوں طبیعت خویش موزوں و موزونے طبعش از خوبی ظاہر افزوں خطہا بے نظیر و کمانداری عدیم المثال است والد شریفش در پیشگاہی دیوان تن دار و چوں ایں عزیز را در دارے معاملات بہ از خود دیدہ در حین حیات ولی عہدی خویش گردانیدہ است غزل فارسی بکمال تازگی و پرکاری فکر کند و گاہ گاہ یک دو بیت ریختہ نیز سر انجام دہد۔

ان بولنا سجن کا میٹھا لگے ہے جی کو — خاموشی ان لبوں کی کب چپ ہی مٹھائی

آشنا لختے از سخن طرازی آشنا است بعضے اشعار از نتائج فکرش ہم رنگ وتہ دار بر می آید۔

جو کوئی چشم تر نہیں رکھتا — درد دل سے خبر نہیں رکھتا
کس طرح دل میں جا کروں اس کے — نالہ میرا اثر نہیں رکھتا
آشنا کے تو حال سے ظالم — اک ذرا بھی خبر نہیں رکھتا
کبھی تو مہرباں ہو ہم پر ایسے — کہ آخر ہم بھی ہیں بندے خدا کے

واخلاق پسندیدہ اتصاف دارد اورا در سخن طرازی طرزے مخصوص است و ازانجاکہ شعر خود از نظر شاہ قدرت اللہ خاں می گذارند بہ پرتو صحبت آں یگانہ زمانہ آتش شوق دکاشانہ باطنش جلوہ افروز۔

اتنا میں مر کے دل سے ترے دور ہو گیا
اک دن بھی آ کے تو نہ سر گور ہو گیا

مائل کرے گا کب تیں گالی کا اسکی ننگ
اس بے ادب کا اب تو یہ دستور ہو گیا

جلوہ کرنے مدرسے ہی میں تو اے جانانہ تھا
دیر بھی دیکھا تو تیرا خاص خلوت خانہ تھا

حال کہنے کی نہ دی گریے نے فرصت رات کو
آج پھر کہوا اسے مائل وہ کیا افسانہ تھا

غلط کہے ہیں کہ معشوق زر سے ملتا ہے
کرے ہے کام محبت سو زر نہیں کرتا

تو نے پل کے گنوا بیٹھے ہیں وہ دل مائل
یہ کافر آہ خدا کا بھی ڈر نہیں کرتا

نالہ کو ہم نے ضبط کیا ناصحا تو کیا
منہ سے تو رنگ زرد چھپایا نہ جائیگا

اشک کی طرح گرا جب تو پھر اٹھنا معلوم
میں وہ افتادہ نہیں ہوں کہ سنبھل جاؤنگا

کیوں نکالے ہے مجھے ہر گھڑی آپنے گھر سے
میرے رہنے سے تجھے کیا ہے چلا جاؤنگا

غیر کے پاس کھڑا تھا میں کہا جا یہاں سے
کہنے لاگا کہ تجھے کیا ہے بے چل جاؤنگا

تو تو مجھ پر ایک دم غصہ ہو پھر سوتا رہا
شمع کی مانند ساری رات میں روتا رہا

ہے قسمت جو تجھ دید سے دور رہنا
تو بہتر ان آنکھوں سے ہے کور رہنا

اگر یاد میں اس کی گریاں نہ ہو دیں
الٰہی ان آنکھوں میں ناسور رہتا

میاں تو اس آزار سے دور رہنا
ذرا اپنے بیمار سے دور رہنا

معلوم تجھے نہیں دل غمخوار کی خبر
کیا جانے کہ کیا ہے میرے یار کی خبر

بار اریوں نے گو تجھے کچھ کچھ کہا تو کیا
کب معتبر ہے کوچہ و بازار کی خبر

یک قطعہ متضمن بر تاریخ کہ بعد ازیں مرقوم خواہد شد موزوں نمودہ مع دیگر ابیات پیش فقیر آورد ازانجا کہ مادۂ تاریخ مناسب نام کتاب بود بنا برعلیہ ہماں اسم موسوم نمودہ

قائم رکھے ہمیشہ خدا تیرے نام کو — کرنے سے ذکر خیر کے ہے موجب نجات
تاریخ اس کتاب کی میں نے کی جب تلاش — پیر خرد نے مجھ سے کہا مخزن نکات

یکبار میرے دیر میں زاہد اگر آوے — میں جانوں جو مسجد کی طرف پھر نظر آوے
صبا کہہ شوخ کی باتیں تیرے پیغام کے صدقے — نہیں لب سے کم لذت میں اس دشنام کے صدقے
فصل گل میں یہ سبب نہیں بلبلیں کرتی ہیں دھوم — ہر ورق پر گل کے اسکی ناز کی تحریر ہے
نالے میرے سے کوہ بھی ہو تو گل سکے — پر آہنی دلی سے ترے کچھ نہ چل سکے

سلیمان تربیت یافتہ میر عبد الحی تاباں است از بدو حال تا سر آغاز شباب بخدمت او می گذارند چون آن مہ تاباں از نیرنگی سپہر زنگاری در پردۂ کسوف فنا متواری گردید ایں بابا چندے تبلاطم حوادث ساختہ آخر کار بکنارۂ تالاب فرید آباد اقامت گزید چودھری آنجا بر حقیقت حالش اطلاع یافتہ بسلوکے کہ شایاں خدمت باشد پیش آمد چنانچہ تا حال بلباس فقر ہماں جایگاہ بسر می برد۔

تجھے ظالم سے بلا دیکھ تو طرارئی دل — کچھ بھی دھڑکا نہ کیا بل بے جگرواری دل

مغل بیگ زار تخلص از یاران میر محمد تقی است با وجود کم بضاعتی شعرے طرز کلامش خالے از انداز نیست

مشہور تھے جو نالے میری گلی میں اس کے — کوئی اور بھی جو رویا سمجھا کہ زار ہوگا

میاں مائل محمدی نام اصلش دار الخلافت شاہجہاں آباد است با وصاف حمیدہ

میر عبداللہ تجرد تخلص است در دکھن بندہ از احوالش خبر ندارم زبانی
میر عبدالولی کہ احوالش گذشت معلوم شدہ کہ شاگرد ویست

تجھ رو میں لطف ہے سو ماہ کو خبر نہیں — خورشید کیا ہے اسکے فلک کو خبر نہیں

میر میراں نیز شاعر دکھن است این دو شعر بنام او در بیاض میر عبدالولی مسطور
نوشتہ یافتم دیگر احوالش معلوم فقیر نیست۔

آ کر باغ میں وہ سرو خراماں گزرے — اشک قمری سے گلستاں میں طوفاں گزرے
بس کہ ہے آتش غم تیز دروں میں میری — ناوک ناز ترا دل ستی سوزاں ہو گزرے

میر عبدالرسول نثار از سر آغاز آشنائے بقافیہ سنجی مشغول است پیش ازیں در
دہلی بسپاہی پیشگی می گذراند دریں ایام بسابقہ آشنائے سادات انجا بطرف
امروہہ رفت

ٹک دیکھ تو چمن کا کیسا ہے ڈھنگ تجھ بن — منہ سے اڑا ہے گل کے گلشن میں رنگ تجھ بن
واں گل رکھے پھرے ہے دستار پر تو اپنے — یہاں عاشقوں کے سر پر پڑتے ہیں سنگ تجھ بن
ہر سمت صد تمنا تڑپے ہیں خاک و خوں میں — ہے صحن خانہ میرا میداں جنگ تجھ بن

اکثر ہیں دلفگار و لیکن نہ اسقدر — کتنے ہیں بیقرار و لیکن نہ اسقدر
سونپا ہے تو نے قتل مرا غیر کے تئیں — ہوں تو گنہگار و لیکن نہ اسقدر
گھر بار جان و مال ہیں اس پر لٹا دیا — کرتے تو ہیں نثار و لیکن نہ اسقدر

ہاتھ سے اس کے جو تجھ سوں نکل جاویں گے ہم — یہ گریباں دامن صحرا کو دکھلاویں گے ہم

خواجہ اثر ہم مردے است نیکو سرشت اکثر قطعات بردئے میر جعفر بطراز
دلگاہ گاہ غزل ریختہ نیز فکر می کند چوں بہ نوشتن این بیاض او را وقوفے حاصل شد

خنداں خنداں پھرا جدھر تو | گریاں گریاں ادھر گئے ہم
کہتے ہیں مسیح جس کے لب کو | ہادی اُسے دیکھ مر گئے ہم
نامے کو تو لے گیا ہے قاصد | دل دھڑکے ہے کیا جواب آوے

عاقل رائے سنگھ نام مردے سپاہی پیشہ ستوطن پنجاب از آشنایان قدیم مرزا صاحب است طبع موزوں دارد گاہ گاہ یک دو مصرع ریختہ فکر می کند۔

بہ نپٹ اپنے سے کیا اُس کو رخصت عاقل | جب مرا بس نہ چلا تب میں خدا کو سونپا
سخت مشکل ہے میاں تیری کمر کا جھگڑا | دل ہوا آنکھوں سے اب دست گریباں میرا
جب وہ کرتا ہے اُن لبوں کا وصف | عاقل اسوقت لعل اگلتا ہے

عزلت میر عبد الولی نام ستوطن سورت مردے فاضل و عالم از بنائر حقیقت آگاہ شاہ عزیز اللہ بوده است با وجود آبادی ظاہر بتعمیر باطن مشغول است در عہد سلطنت مرزا احمد بدار الخلافت تشریف داشت شاعر دوستے در مزاج او بمرتبہ بود بلکہ برائے مناسبت ایں طائفہ گاہ گاہ خود ہم دو سہ بیت موزوں می کرد۔

نہ پوچھو یہ بگولا ہے مرا ہم قول صحرا میں | یہ خاک حضرت مجنوں ہے ڈانواڈول صحرا میں
سدھارے گل کہاں کر کر یہ سونی گلستاں اپنے | گئیں ہیں بلبلیں کدھر چلا کر خانماں اپنے
جس خوش نگہ کو دیکھوں غفلت کی نیند لیوے | میں بخت خفتہ سب کا افسانہ ہو رہا ہوں
دل ہیں رندوں کے پھپھولا ہوا عمامہ شیخ | یارب اس بزم سے یہ زہر کا بگڑ جاوے
بجز رفاقت تنہائی آسرا نہ رہا | سوائے بیکسی اے وائے کوئی مرا نہ رہا
اوسکو پہنچی خبر کہ جیتا ہوں | کسی بدخواہ سے سنا ہو گا
نخل امید بیوفایوں سے | دل سلامت ہے جو پھل پایا

قفس سے دو دن گئے ہم اور چمن میں جا بسے ہائیں
اڑیں تو پر نہیں اڑیں تجھے جو ہمیں تو اپنے آپ

آرام تو کہاں کہ تنگ سو کے چپ رہوں
آسیب ہے نہیں ہے ہم کو کہ بلا رو کے چپ رہوں

وصل میں بے خود رہے اور ہجر میں بیتاب ہو
اس دیوانے دل کو رہ تو ایک طرح سمجھائیے

ہر گلی میں گر پڑے ہیں مست ہو دیوار و در
ابر رحمت برستا ہے یا برستی ہے شراب

شیخ فرحت اللہ فرحت از اولاد قاضی مظہر خلیفہ شاہ بدیع الدین مدار است دلش از دست حریفان بہ ستم رسیدہ و سودائے مفرط در دماغ پیچیدہ است گاہ گاہ در مجلس مراختہ کہ اختراع این بروزن مشاعرہ است بنظر می آید و بسیار جوشش و دل گرمی می نماید۔

یار اٹھ گئے جہاں سے اغیار رہ گئے
خالی ہے یہ چمن ہستی گل خار رہ گئے

نہیں ہے قدر تری دو جہاں میں اے فرحت
کہ کے چشم سے جوں اشک تم گرا تو نہیں

آتی ہے صبا تجھ میں تو کچھ اور ہی بو آج
سچ کہہ تجھے سوگند ہے آتی ہے کدھر سے

ترا گناہ میاں ہم نے کیا کیا ہوگا
یہی مگر نہ دل اپنا تجھے دیا ہوگا

جو کچھ کہ ہم سے کسی نے کہا ہے جھوٹ کہا
میرا برا ہو اگر میں نے کچھ کہا ہوگا

میری لوح مزار او پر لکھانا
کوئی دل کو کسی سے مت لگانا

میر ہادی در کمال سعادت پرستی و نیک نہادی از قدیمان عنایت اللہ خان کشمیری است درین ایام بتقریب وزیر الممالک نواب غازی الدین خان پایہ امتیاز دارد و اکثر در انجاح حاجات خلایق کوششہائے بلیغ بکار می برد ابیات دیوان عشقی قریب ہفصد بیت از نظر گذشتہ بعد یک دو ورق شعر با مزہ می آید

صدقے ترے ہو کے مر گئے ہم
کرنا تھا جو کچھ سو کر گئے ہم

اوسے کیونکے پاویں جہاں ڈھونڈتے ہیں
کہ وہ بے نشاں ہم نشاں ڈھونڈتے ہیں

تمنا کو ہے مژدۂ نا امیدی
کہ وہ کس جگہ ہم کہاں ڈھونڈتے ہیں

آئینے سے ترک کرے یار ہو سکے یہ نہو سکے
ایسے مقام سے کنار ہو سکے یہ نہو سکے

چشم جو عین وصل میں رہتی ہے تشنۂ جمال
ہجر میں ان سے انتظار ہو سکے یہ نہو سکے

وعدۂ سلسبیل پر ہم سے تو آج واعظا
ترک شراب خوشگوار ہو سکے یہ نہو سکے

جلوے لئے قدرت اس جگہ تو ہی نہ لیتیں اٹھا
اپنی تو آنکھ پھر دوچار ہو سکے یہ نہو سکے

میر ابوالحسن وحشت چندے غزال روش بچراگاہ وجود مستانس گشتہ بصحراے عدم شتافت۔

میں تو شروع نزع میں کی تھی تجھے خبر
پہنچا تو اس گھڑی کہ مرا کام ہو چکا

گہہ گریۂ شب گاہ میں آہِ سحری ہوں
جب ہے کہ سوہوں پر گردِ بے اثری ہوں

جس پاس میں جاتا ہوں سو منہ پھیرے ہے مجھ سے
گویا کہ میں گرد قدم رہ گذری ہوں

قاتل اگر کہے کہ سسکتا ہی چھوڑ دو
خنجر تو ایک دم کے لئے منہ نہ موڑ لو

شیشہ نہیں جو مول لیا دیں گے پھر اسے
پیارے یہ دل ہے اسکو سمجھ کر کے توڑ لو

گرد لگا اس دوانے دلکی میں بر تیر آنکھوں سے
لگی ہے بہنے موج اشک کی زنجیر آنکھوں سے

مثال عکس آئینہ نکل جاتا ہے جی میرا
جبھی ٹک دور ہوتی ہے تری تصویر آنکھوں سے

کہیں یہ جھوٹ دیکھا ہے تجھے جب میں بلاتا ہوں
صبر کا تو چلا جائے مجھے کہتا ہے آتا ہوں

جس سے ہو آشنائی کا رشتہ نہ توڑئے
گھٹتی ہے اس میں توڑ کر پھر جوڑئے

نسترن ہے گل ہے سوسن ہے گلِ اورنگ ہے
اے بہار باغ بے رنگی یہ کیا کیا رنگ ہے

بید مجنوں کی طرح جتنی بڑھی گھٹتی ہے
شجر عمر کی بالیدگی معکوسی ہے

جاں بلب ہوں ہیں نکل جاؤ نہ جاں کہیں دل میں حسرت ہی رہ جاتی ہے آہ کہیں

کب تلک نزع کی حالت میں ہوں میں اے بن ہو چکی اے مرو دل دشوار تک آساں کہیں

جس دن تری گلی سے عزم سفر کیا ہر یک قدم پہ راہ میں پتھر جگر کیا

میر ضیا بشاہد پرستی مشہور است ولیل و نہار با شاہدان روزگار محشور ظاہر حالش آراستہ تمکین و صلاح است لیکن کہ باطنش نیز بزیور فلاح باشد

جنت کا مت دو مژدہ مجھے تم ابھی سے لے کر آرام وہاں بھی معلوم ایسے تئیں ملے کیو

جوں حنا اس جا نہ بھولے ہیں یہ کل لائے ہیں ہم جب مراد اپنی کو پہنچے ہیں تو زیر پا ہیں ہم

مغاں میخوار سب یہاں سے دلوں کا کام لے اٹھے ہمیں ہیں نامراد ایسے کہ خالی جام لے اٹھے

دانش آگاہ شاہ قدرت اللہ از نبائر شیخ عبد العزیز است کہ مزار شریف ایشاں پہلوئے چپ کوشک واقع است، در عنفوان شباب چندے چرک گروہ بسودائے خدا پژوہی افتاد و با کثرت از مشائخ روزگار در خورد و اما چوں کار ہا در گرو تقدیر است اورا از صحبت تبرکہ ایں طائفہ کشاد کارے دست نداد آخرِ حال بخدمت شاہ عشق اللہ کہ سر دفتر قلندران زمانہ بود ملاقات کرد و بمقتضائے مناسب مزاج در اندک مدتے کار خود را باتمام رسانید بالجملہ اورا حالتے شگرف حاصل است کہ ہیچ گاہ افاقت ازاں متصور نیست باوضاع حالتے میگذرانند و یک طور مقید نیست بر احوال فقیر شفقت ہائے کنند حق تعالیٰ سلامتش داود۔

وہ دن آتا ہے کسی کو نہ کوئی یاد رہے نام مجنوں رہے نے شہرۂ فرہاد رہے

ہماری خاک پہ مر کہتے یہ بلبل بیقرار آئی ارے کس نیند سوتا ہے وہ اٹھ اے کہ بہار آئی

یوسف مصر بیچتا ہے کوئی
تجھ سے دلبر عزیز دلہا کو

حرف تیرے عقیق لب کا شوخ
زندہ کرتا ہے نام عیسیٰ کو

دور سے گئے وہ کوہکن و قیس کے جوش
میرے جنوں کا ابتو زمانے میں شور ہے

تیرا اشک رواں قدم زرد ہے
کہ یہاں زعفران ابھی گرد ہے

اگر شیخ دوزخ میں گرمی ہے زور
مرے پاس ابھی یک دم سرد ہے

ہم تمہارے ماتمی میں جہاں کا حال ہو گیا ہے
اے دل ابھی سے تیرا یہ حال ہو گیا ہے

اس راہ پر تو آداب سیر کو کہ محسن
اب نقش پا کے پامال ہو گیا ہے

زخم ہے وار حسرت دل ہے
یہ جو گریہ کا جامہ آبی ہے

دل پہ آبلہ میرا محسن
رشک آئینہ حبابی ہے

اس کے کوچہ میں ہے کچھ نالہ شب کا چرچا
دیکھو تو کوئی میاں میرا تو مذکور نہیں

تیغ ناز کو مرے ہاتھ میں دیجیو تو کہیں
قیس و فرہاد و سادہ دہقانی و مزدور نہیں

بیکس ابرو ہلی عاشق الٹ بے گئے
مجھے تلوار سے لے شوخ جس ہے

کیا جانے وہ شوخ کدھر ہے کدھر نہیں
مجکو تو تن بدن کی بھی اپنی خبر نہیں

اس دشت پُر خطر کا میں تنہا ہوں جہاں
آدم کا ذکر کیا ہے ملک کا گذر نہیں

اے دیدہ خانماں تو تو اپنا ڈبو چکا
اب رونا ہے کیا جو کچھ ہونا تھا ہو چکا

محسن مرا دل نہیں تو بتا آج کہہ کیا کروں
اک دل بساط میں تھا سو بھی وہ بھی کھو چکا

دل میرا وابستہ ہے تار زلف یار سے
ہے تو دیوانہ پر اپنے کام میں ہشیار ہے

اور یہ عاجز تمہارا کچھ نہیں رکھتا مگر
جان بر لب آمدہ حاضر ہے گر درکار ہے

نہ پوچھو دختر رز کی تو مجھ سے کیفیت
لیے ہی جاتی ہے دل وہ چھنال آنکھ ہوتیا

اور کوتوال شہر کی رشوت پہ ہے نگاہ　　　کوئی جو پوچھتا ہو یہ کس پہ ہے داد خواہ

جوں گل ہزار جا سے گریباں دریدہ ہوں

آیا نہ تجھ کو رحم مرے حال پر کبھو　　　پونچھا نہ تو نے آ کے مری چشم سے لہو
دیویگا کیا جواب خدا کے تو روبرو　　　کر ملنے جا کے گل کی تمنا ہیں یں میں تو

خون جگر میں میں ابھی تو دامن کشیدہ ہوں

بسمل عفت نہیں سبب مجھے آرام ایک تل　　　ہے مرگ میرے دم سے نہایت ہی متصل
ملتا اگر ہے مجھ سے تو ظالم شتاب مل　　　غافل ہے کیوں ترا میری فرقت سے گویں دل

اے بے خبر میں نالہ حلق بریدہ ہوں

پوچھے ہے تو کبھو کہ ترا رنگ کیوں ہے زرد　　　کہتا ہے گاہ یوں کہ تجھے بھر کے آہ سرد
تو کون ہے جو ملتا ہے جہرے سے اپنی گرد　　　میں کیا کہوں کہ کون ہوں سودا بقول درد

جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

میرزا محمد حسین متخلص بمخلص متوطن شاہجہاں آباد و نبیرۂ وزیر خاں مرحوم است کہ در عہد عالمگیر بادشاہ فوجدار بلدۂ سہرند بود ہر چند خانہ زاد موروثی است لیکن چون ارکان سلطنت از احوال امثال چنیں مردم غافل واقع شدہ از بنابراں بنقدی قلیل در رسالہ گذر خدمت می نماید حق تعالی سلامتش دارد۔

سرخ چہرہ ہے نہیں خون کسی کا یارو　　　باندھیو نا وہ میرے لال پہ بہتان کوئی

محمد محسن متخلص بمحسن جوانیست نوخاستہ خلف الرشید میاں حسن کہ خواہر زادہ خان آرزو است طبیعتش خیلے مناسب شعر افتاد اگر چندے مشق خواہد کرد بسیار بمرتبہ خواہد گذشت۔

شنیدن یادگرفتہ بہ تکرار آں متامل نشود بالجملہ مذاق سخن درست دارد خصوصاً غزل را برنگے مخمس کند کہ زیادہ ازپنجۂ حنائی گل رخاں ناخن بدل زند۔

نہ ترے عشق میں بلبل ہی کو نالاں دیکھا — تا اک ہر گل کا گلستاں میں گریباں دیکھا
پریشاں ہی نظر آتا ہے دل ذرات عالم کا — صبا کیا کھل گیا ہے پیچ اس کی زلف پرخم کا
جو کہ مائل ہے تیغ ابرو کا — تشنہ لب ہے وہ اپنے لہو کا
تیری اعضا میں تجھ کمر سے میاں — فرق ہرگز نہیں سر مو کا
راقم ہوتا نہیں ہم آغوش — کیونکے ہو دور درد پہلو کا
حاضر ہے ترے سامنے راقم کہ اسکو قتل — مجرم یہ سب طرح سے ہے پر تیغ نگاہ کا
ترے پیچھے میرا دل اشک کی طرح — گیا ایسا کہ پھر ڈھونڈا نہ پایا
ہے زلف میں تیری جائے عاشق — زنجیر ہے اور پائے عاشق
اے عشق تو اس طرح مجھے مار — تا یار کہے کہ ہائے عاشق
دیکھا نہ جسمیں کوئی سرزمیں نہیں — پر تخم دل ہو سبز جہاں سو کہیں نہیں
سنتے تھے ہم جہاں میں ہی اہل کرم کے ہاتھ — آیا جو دید میں تو کم از آستیں نہیں
مرتے مے پیتے ہے زاہد کریں تو میگسار — زہے وہ عمل کہ ہوئے سبب نجات یاراں
کیا ہنسنے ہے تو مرے سینہ صد چاک کو گل — سر فرو لاکے تنک اپنے گریباں کو دیکھ
معصیت میری بہت ہے کہ تیری بخشش بیش — اپنی رحمت پہ نظر کر میرے عصیاں کو دیکھ
ابر تر سے چشم گریاں کم نہیں — موج دریا ہے شکنج آستیں
زلزلے کو ایک دم فرصت نہ دے — ہوئے دل میرا اگر زیر زمیں
یہاں تلک قبول نظر کیجے تری جفا کو — تا سب کہیں کہ راقم رحمت تری وفا کو

که مطلعش اینست۔

کوئی دن آگے بھی زاہد عجب زمانا تھا ہر اک محلہ کی مسجد شراب خانہ تھا

در ہماں ردیف و قوافی بتغییر بحر چند شعر برجستہ موزوں کرد کہ مثل آں بسیار
تلاش جیتواں گفت و ہمیں نسبت گاہ گاہ علی سبیل التقریب یک دو مصرع ریختہ
و غیرہ ہم فکر می کند چنانچہ ایں مطلع از ہماں غزل است

کھولنا زلف اک بہانہ تھا مدعا ہم سے منہ چھپانا تھا

خانی رفیع الشان مہربان خان بہادر جوان خوش ظاہر و باطن پسر خواندہ نواب
امیر الامرا غالب جنگ محمد احمد خان بہادر است ذہن سلیم و طبع مستقیم دارد و اکثر مقتضائے
موزونی طبیعت با شعر و سخن و اہل آں الفت تمام دارد چنانچہ میر سوز و غیرہ دو سہ
شاعر ریختہ از قدیم بخدمت او می بودند دریں اثنا یگانہ جہاں اشرف زبان حضرت
مرزا محمد رفیع سودا سلمہ اللہ تعالی برفاقت وزیر الممالک نواب غازی الدین خان بہادر در
بلدہ فرخ آباد رسیدند خان موصوف از نواب وزیر درخواستہ مرزائے موصوف
را برفاقت خود گرفت از انجا کہ تربیت اہل کمال را اثرے تمام است سخنش ایں ہمہ
ترقیات نمایاں کرد کہ بالفعل شاعر زبردست را از عہدہ آں برآمدن دشوار است
چنانچہ در ردیف و قوافی مشکل زمین غزل تازہ می پیماید و داد سخنوری میدہد حق تعالی
سلامتش دارد۔ از وست

کسے نے رو مرے قسمت میں کبھی شام لے آیا ہمیں کچھ نہ آیا اک تیرا نام لے آیا

حافظ حامد و سخن لالہ بندرابن من سکان بلدہ متھرا یاران مرزا محمد حسب نسبت
محمد رنگی را محکم تخلص می کند تربیت حافظ بر کمال دارد چنانچہ قصیدہ بحر بیت بیکے

گالی بھی پی گئیں ہیں ماریں بھی کھائیاں ہیں — کیا کیا تری جفائیں ہم نے اٹھائیاں ہیں

کوئی یہ چاند سا منھ چھوڑ کر عاشق ہو شعلہ کا — گذر آتش پرستی سے یہ پروانہ ہی کہہ دیجو

اسیران قفس کی ناامیدی پر نظر کیجو — بہار آوے تو اے صیاد مت ہمکو خبر کیجو

منھ اپنا نہ دکھا کر ہو جائے گا دوانا — آئینے کو کہتے ہیں اے شوخ پری خانہ

اگرچہ عشق میں آفت ہے اور بلا بھی ہے — نرا برا ہی نہیں یہ شغل کچھ بھلا بھی ہے

یہ کون ڈھب ہے سجن خاک میں ملانے کا — کسی کا دل کبھی پاؤں تلے ملا بھی ہے

شب ہجر اُن کی وحشت کو تو اے بیداد کیا جانے — جو دن پڑتے ہیں یہاں راتوں کو سو میری بلا جانے

وصل کی گرمی سے مجکو ضعف آتا ہے یقیں — دیکھیے مجھ ساتھ خوباں کی جدائی کیا کرے

اس نسیمی پوش سے آغوش رنگیں کیجیے — جی میں ہے اس مصرع موزوں کو تضمین کیجیے

چھٹے ہم زندگی کی قید سے اور داد کو پہنچے — وصیت ہے ہمارا خوں بہا جلاد کو پہنچے

نہ نکلا کام کچھ اس صبر سے اب نالہ کرتا ہوں — مری فریاد ہی شاید مری فریاد کو پہنچے

ہمیں ہجر میں ہے موت پہ جینا وہ کیا جانے — جو گذرے ہے سو مقتولوں کے سو جلاد کیا جانے

دوانا ہوں پر اجی دینے پہ مجنوں کے سلیقے کا — مزہ لے لے کے مرنے کی طرح فرہاد کیا جانے

مجھے یہ بات نہ تھی یاد ایک مجنوں عریاں سے — کیا کیجے کہاں تک چاک ہم گذرے گریباں سے

نہ دے برباد خار آشیاں کو عندلیباں کے — صبا یہ بھی ہوا خواہ ہیں ہے آخر گلستاں کے

ٹک آ ایک انصاف کر کرتا ہے اتنی بھی جفا کوئی — کرے گا بعد میرے کس توقع پر وفا کوئی

اب تو کیجے نگہ لطف کہ ہو توشۂ راہ — کہ کوئی دم کو یہ بیمار سفر کرتا ہے

افتادہ مزاج و خدمت گزیں میر باقر المتخلص بحزیں از سادات اکبرآباد است پیش ازیں بعلاقہ روزگار در دہلی بود الحال کہ کساد بازاری مردم کار است بنگالہ رفت

موج دریا کی طرح ضبط میں آسکتا نہیں	کیونکہ لکھے کوئی احوال پریشاں میرا
روا گر دیجئے اس کو بھی کبھو عیب نہیں	آئینہ سے بھی گیا کیا دل حیراں میرا
میں تو ظاہر نہ کروں اس کی جفا کو لیکن	چھپ سکے کیونکہ یقیں زخم نمایاں میرا
کیا بدن ہوگا کہ جس کے کھولتے جامہ کا بند	برگ گل کی طرح ہر ناخن معطر ہو گیا
رہا میں بیخبر افسوس لذت سے اسیری کے	اگر یہ جانتا تا کنج قفس میں آشیاں کرتا
اگر مر کر نہ میں اس شوخ کی خاطر نشاں کرتا	خدا جانے وفا میرے کے حق میں کیا گماں کرتا
کہتے ہیں کہ تسخیر پری آئینہ کو آتی ہے	دل سے نہ ہوا جو کام آئینہ سے کیا ہوگا
ناچار ہے دل اپنا گیا خاک میں یقیں	اس جنس کا جہاں میں کوئی قدرداں نہ تھا
جو کچھ کہیں یہ تجکو یقیں ہے سزا تری	بندہ جو تو بتوں کا ہوا کیا خدا نہ تھا
کیا کروں مژگان تر کے ابر نے ڈالا ہے شور	آج بادل بیطرح اٹھے ہیں یہ برسینگے زور
خال گورے منھ کا لیتا ہے مرے دل کو چرا	اس نگر میں چاندنی رات کو بھی پڑتے ہیں چور
دل نہیں کھنچتا ہے بن مجنوں بیاباں کی طرف	خوش نہیں لگتا نظر کرنا بیاباں کی طرف
اس ہوا میں رحم کر ساقی تو دے جام شراب	دیکھ کر چھاتی بھری آتی ہے باراں کی طرف
ہمارے درد کی دارو اگر کچھ ہے تو دارو ہے	یہ سب کچھ سنکے ساقی بات پی جانیکا کیا حاصل
جب دیکھتا ہوں تنہا تجھ کو سجن چمن میں	کس کس طرح کی باتیں آتیں ہیں میرے من میں
مجنوں کی خوش نصیبی کرتی ہے داغ مجھ کو	کیا عیش کر گیا ہے ظالم دوانہ پن میں
یقیں ہے جلتے جلتے کی خبر کیا پوچھ کر لوگے	پڑا ہوگا دوانہ باؤلا سا کنج گلخن میں
کرتا ہے کوئی یارو ابھی وقت میں تدبیریں	مرتا ہے یہ دیوانا ٹک کھول دو زنجیریں
وہ ناخن اپنے خوباں سے خوشتر رہے	کسی کے کام کی جس سے کوئی گرہ وا ہو

بیش دارد و خود را از شاگردان خان آرزو می گیرد۔

پھر نہ آئے ہم خط کو یہ جواب دیا
نامۂ شوق کا جواب نہیں

محمد نعیم درد مند تخلص می کند و در عنفوان شباب جنونی غریب داشت شاہ ولی اللہ
اشتیاق که در طبقهٔ ثانیه گذشت بشاهد جمالش عمر از سر نو می گرفت چون گل زیبا
از رنگ و بوئے وفا اثرے ندارد باندک تغیرے گسیخته بمرزا جان جاں مظہر پیوست
مدتے بخدمت ایشان استفاضه آگاهی کرد بقافیه سنجی برآمد چنانچه مثنوی ساقی نامه
و دیگر ابیات بر صفحهٔ روزگار از وے یادگار است۔

نفس تک بھی کیے بیتی اور پری رو آشیانے سے
الٰہی مت کسی کو ہیں رنج و انتظار آئے

عجب بیتاب ہیں بچھڑے تھے چمن کے آشیانے سے
ہمارا دیکھیے کیا حال ہو جب تک بہار آئے

صدر نشین بزم شعرائے متاخرین انعام اللہ خان متخلص بیقین شاعر صاحب طرز
یگانهٔ عصر و وحید دهر است باتفاق میسد انصاف دارد دو مصرع از زبان ہائے
تازه سحر طرازش بایں همه لطف و خوبی می تراود که بمجرد استماع دل عشاق قطرات خون
شده از دیده فرو میچکد بزرگانش در بلدهٔ سهرند اقامت داشتند و اکثرے از شرفا
و رؤسائے آن ضلع بخدمت ایشان استفاضهٔ معنی می کردند چون والد شریفش
بدار الخلافت رسید حمید الدین خان که لقب نیمچه بود صبیه خود را بآن بزرگوار نامزد
کرد و ایں معنی را موجب افتخار خویش دانسته بالفعل خان موصوف بمنصب ہزاری و پانصدی
سرفرازی دارد و پیش ہم چشمان خود معزز و موقر است حق تعالی سلامتش دارد۔

ہے ترے داغ سے گنجینۂ سوزاں میرا
آتش رنگ آگ سے ہے پھلا ہے گلستاں میرا

غم کے ہاتھوں نہ رہا کچھ بھی رفو کے قابل
بسکہ سو بار ہوا چاک گریباں میرا

کس واسطے شتابی جانے کی اسقدر ہے — گو صبح ہو پیارے یہ بھی تو اپنا گھر ہے

کون کہتا ہے باوفا تجھ کو — کذب ہے افترا ہے تہمت ہے

یہاں کون ہے اتنا کہ اب پوچھتے ہو — تجاہل کے قرباں تغافل کے صدقے

آنکھ دیکھو دامن بھی اس کے بھی ہاتھ سو لا — یہ مجھ ناتواں کا گریباں نہ ہووے

لب تلک تو شکایت ہے آئی — پھر آگے حجاب سے نہ نکلی

آئی نہ جگر سے آہ باہر — یہ سیخ کباب سے نہ نکلی

جس وقت کہ بیدار وہ ہوتا ہیگا — عالم کے غضب سے جان کھوتا ہیگا

غنچوں کو صبا کہو کہ آہستہ کھلیں — زانوں پہ مرے وہ شوخ سوتا ہیگا

سیادت پناہ محمد میر مطلب خوشنویس بے نظیرے است خط شکستہ و شفیعائے خوب می نویسد بحثے از موسیقی آگاہ در مبادی حال میر تخلص می نمود چون اورا با میر تقی معارضہ افتاد ازاں باز سوز تخلص کرد با فقیر قدم آشنائے دارد و ازنجا کہ داخل توپخانہ بادشاہی است بسبب ہم قربی اکثر بدربار معلی ملاقات میشود

شہرۂ حسن سے ازبسکہ وہ محجوب ہوا — اپنے مکھڑے سے جھگڑتا ہے کہ کیوں خوب ہوا

تجھ ستی سن ایظالم کوئی بھی ہے گردیدہ — دیدہ ہیں سو گریاں ہیں دل ہے سو ستم دیدہ

اے آہ ابھی رہ جا دل چین سے سوتا ہے — مشکل ہے اگر چونکے یہ فتنۂ خوابیدہ

آنکھیں جو نہ لگ جاتیں تو رادنہ ہوتیں — پرہیز اگر کرتا بیمار نہ ہوتا میں

نہیں دیتا ہے مجھ کو چین یہ دل بیقراری سے — تنک جھمکے تو دکھلا دے کہ میں بیہوش ہوتا ہوں

چین آتا نہیں ہے مجھے یارب — دل پر اضطراب ہوں کس کا

میر حسن علی شوق سپاہی پیشہ است ہمیشہ بروزگار عمدہ گزرانیدہ اکثر شعر واری

پیشکار خالصہ بادشاہے است چیزے تواضعش میکند و منت قبول آں بر سر و دوش از دوست خود میگیرد چوں ہمسایہ فقیر سکونت دارد

بھلا بتا تو میری جاں کچھ ہدایت نے
تمہارے جور سے شکوہ کبھو کیا ہوگا

مگر یہی نہ کہ بے اختیار ہو کے کبھو
کچھ اور بس نہ چلا ہوگا رو دیا ہوگا

تیرے زلفوں کی کچھ چلی تھی بات
روتے ہی روتے گذری ساری رات

یاد کرتے ہی زلف کی ہے قہر
پھر گئی دل پہ سانپ کی سی لہر

کیا کہوں تجھ بن مجھے ہر دم دم شمشیر ہے
سانس جب لیتی ہے گویا ان کشتی تیر ہے

دولت بے سعی کی ہرگز نہیں ہوتی ہے قدر
ورنہ مشت خاک بھی کیا کم از اکسیر ہے

مجھ دل سے تیر عشق ترا پار ہو چکا
ہونا جو کچھ تھا سو تو میرے یار ہو چکا

نت اٹھ گئے مرنے سے تو ہے ایت بچا ہوں میں
مرنا بھی گر ہوا کہیں یک بار ہو چکا

ہم دوانے وہ نہیں ہیں جنہیں زنجیر کریں
آگے خاطر میں جو یاروں کے ہو تدبیر کریں

کیا کہوں میں کہ ترے ہجر میں کیونکر گذری
وہی جانے ہے میری جاں کہ جس پر گذری

دید عالم کا کوئی دم کیجے
کس کی شادی و کس کا غم کیجے

دیدہ و دل میں گھر تمہارا ہے
آئے بیٹھے کرم کیجے

اے کہ ماتم میں عزیزاں کی ہے تو خاک بسر
بیخبر کچھ تجھے اپنی بھی خبر ہے کہ نہیں

بدہ سنگھ قلندر تخلص ہندو پسرے است عیالش از نعمت دنیا حظے وافر داشتند او را شوریدگی و لاغ دریافت از خویش و قوم خود گسیختہ بقلندرے برآمد

مجکو کیا مے جنوں نے آ کر دی
ساری عقل و خرد ہوا کر دی

تجھے مل کر ہوا میرا دشمن
تو نے اس دل کو کیا بلا کر دی

کرم اللہ خان درد نبیرۂ نواب اعالت خان مرحوم پارہ از علوم رسمیہ اندوختہ بقافیہ سخن مشغول شد مگر استعدادش ہمچنان نارسیدہ بر خاک افتاد؛

اگر وہ بت کسی صورت سے میرا رام ہو جائے | تو پوچھوں اس تمہید سے کہ کفر اسلام ہو جائے
تری ترچھی نگاہوں نے رکھا ہے نیم بسمل کر | اگر پھر کر نظر دیکھے تو میرا کام ہو جائے
ہر اک دم شائق ہو کر ہوا اس کی دید کی تشنگی ہے | خلش جی کا اگر نکلی تو کیا آرام ہو جائے
ادب ہم کو رہے اس خاک آستانے کا | تڑپیے تو اس طرح بکھر گیا بال و پر لگنے
تحمل آتش غم میں دل بیتاب کیا جانے | ٹھہرنا ایک دم بھی آگ پر سیماب کیا جانے
کنارے سے کنارہ کب ملا ہے بحر کا یارو | پلک سے لگنے کی لذت دیدۂ پر آب کیا جانے
سامنے ہوتے ہی ہم نقش بپا ہے دل کے | ہٹ گیا نوک سناں پر صفت قرنگار کے بیچ
ظالم کو دل میں ظلم سے فریاد کب تلک | دکھ ہم کو بھی ضرور ہے بیداد کب تلک

میر فرخ علی از سادات قصبہ آنولہ است در سپاہ پیشگی میگذارند ذہن سلیم و طبع مستقیم دارد اکثر شعر فارسی بر طرازد گاہ گاہ بطور ریختہ نیز فکر میکند خوش خوئے و آشنا روئے در نہاد اوست۔

اسقدر کیسے ہو کیوں اے مہوشان نا آشنا | میں بھی تو شاید کسی دن تھا تمہارا آشنا
گو ہوا شیریں تجھے خسرو کی دولت جاہ و مال | پر کہیں ہوتا ہے پیدا کوہکن سا آشنا
چشم سے نور گیا تن سے توان دل سے صبر | عشق میں تیرے یہ مجھسے جدا کیا کیا کیا

میاں ہدایت اللہ ہدایت تخلص میکند زادگاہ او دہلی است مرید و شاگرد حضرت خواجہ میر صاحب است بسیار استغنا میگذارند و آبرو مند بمعنی ریزہ و نکلہ مروے از قوم افاغنہ با این جمعیت اخلاق و احوال برخاستہ لاالہ پیدا نا شدہ

دو زبانش ترتیب یافته از انجمله آنچه بدست فقیر آمد اینست۔

تجھے برق خار سے کام کیا جو تو چاہے حق کو تلف نہ کر
یہ ازل کے دن سے نصیب ہے کف پائے آبلہ وار کا

رکھے ہے انتظار دیدۂ یعقوب ہر موئی ۔۔۔ ہر ایک عضا میرا کوہ خمیر باد کنعاں تھا

آتی ہے دل پہ قلقل مینا سے اب شکست ۔۔۔ وہ دن گئے کلیم کہ یہ شیشہ سنگ تھا

دراز ہے شب ہجران زلف یار کلیم ۔۔۔ تو مجھ سے پوچھ کہ کاٹی ہے رات آنکھیں ہنوز

ہو چکے حشر گئی دوزخ و جنت کو خلق ۔۔۔ رہ گیا میں ترے کوچے میں گرفتار ہنوز

قربان اس ادا کے عجب یہ مروڑ ہے ۔۔۔ آشفتہ ہو گئیں پہ نہ زلفوں سے بل گیا

نشاں مجنوں کا مت پوچھو یہ مجنوں ۔۔۔ کہیں اس طرف ویرانے میں ہوگا

نقاب اپنے منہ سے جو تو یار کرتا ۔۔۔ تو گل اپنی خوبی پہ کب ناز کرتا

وفا کا ہوں پر بستہ نہیں تو پر بجرا ۔۔۔ چلا جاتا جنگل کو پرواز کرتا

عمر رفتہ کا نہ پایا کھوج ہر گز اے کلیم ۔۔۔ آپ کو جوں شمع میں ہر انجمن میں گم کیا

پاس ناموس محبت ہے مجھے ازبس کلیم ۔۔۔ باغ میں جاؤں نہ ہر گز بے رضائے عندلیب

پوچھ مت غم کی داستاں اے دل ۔۔۔ کہ پڑا ٹوٹ آسماں اے دل

ہم سے پوچھو نہ پیتے ہو شراب ۔۔۔ ایسے کیا شیخ و پارسا ہیں ہم

غرض حسن ممکن نہیں کیسی داد کو پہنچے ۔۔۔ غرض تم سن چکے احوال ہم فریاد کو پہنچے

میرے آتش کدۂ دل کا کہیں ٹھنڈا نہیں ہوتا ۔۔۔ بجھاتے نہیں ہیں جیسے مذہب زرتشت میں آتش

بچھونا مجھکو اپنے بند رو سخت ہاتھوں سے ۔۔۔ دل گداختہ ہوں آہ درد کرتا ہوں

اب دم شمرو کی سے مجھے کار و بار ہے ۔۔۔ ہر دم مرے حساب میں روز شمار ہے

حال گلزار زمانے کا ہے مانند شفق | رنگ کچھ اور ہوا جاتا ہے ایک آن کے بیچ
تو ہو میں شور بور ہے دامان و جیب میر | بھرا ہے آج دیدۂ خونبار بے طرح
کر رحم ٹک کب تک ستم مجھ پر جفا اس قدر | یک سینہ خنجر سینکڑوں یک جان بیزار اسقدر
صد آہ جی کے پار ہو ہے تیر سے شاید | کسی بیدرد نے کھینچا کسی کے دل کے پیکاں کو
خوش آوتی تجھ بن گل گشت باغ کس کو | صحبت رکھے گلوں سے اتنا دماغ کس کو
مشہور چمن میں تیرے گل پیرہنی ہے | قربان ترے ہر عضو پہ نازک بدنی ہے
سمجھے ہے نہ پروانہ نہ تھامے ہے زباں شمع | وہ سوختنی ہے تو یہ گردن زدنی ہے
تیرے ابرو جدھر کو ہوں مائل | ایک عالم اودھر نیاز کرے
کیا خط لکھوں کہ رونے سے فرصت نہیں ہمیں | لکھتا ہوں تو بھری ہے کتابت بہی ہے
تمام اوس کے قد میں سناں کی طرح ہے | نکیلے پنے اس جواں کی طرح ہے
خانقہ کا تو نکر قصد ٹک اے خانہ خراب | رہ گئی ہے یہی ایک بستی مسلمانوں کی
طفلی سے ہوا پیر گیا عہد جوانی | اے عمر گزشتہ میں تری قدر نہ جانی
مدت سے ہیں بگشت پر آوارہ چمن میں | نکلی ہے یہ کیسی ہوس بال فشانی

کوکے خاں اصل نام وے مرزا اشرف علی است فغاں تخلص می کند در زمان سلطنت میرزا احمد منصب پنجہزاری مفتخر و مباہی گشت سلیقہ سخن سنجی درست دارد چنانچہ از سیاق و سیاق کلامش پیدا است چوں دریں ایام در دار الامان ہندوستان گرد و سیمہ آفات و شاہراہ بیتاب است بپاس آبروے خویش سفر بنگالہ گزید وہما نجا رخت اقامت انداخت از وست

بے واسطے عتابی نہ میں یہاں چشم تر آیا | دل دیکھتے ہی ابر کو ناچار بھر آیا

تخلص میر ... کمال نمونہ قدرت ذو الجلال دلش گنجینۂ اسرار الٰہی و سینہ‌اش خزینۂ انوار نامتناہی است چنانچہ رسالہ در علم تصوف مسمی بواردات مشتمل بر اسرار حقائق تصنیف کردہ کہ متعلق بدین است و دیگر ابیات در رباعیات بطور سحابی و خیام بسیار دارد پایۂ قدر کمالش تا بحدے است کہ والد شریفش خواجہ محمد ناصر کہ یکے از اولیاے روزگار و مشائخ کبار است بنسبت مریدی و فرزندی وے افتخارہا دارد ابیات دیوانش قریب بہزار بیت بنظر گذشتہ ہمگی لب لباب و تمامی انتخاب است۔

جگ میں آکر ادھر ادھر دیکھا — تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

جان سے ہو گئے بدن خالی — جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا

نالہ فریاد آہ اور زاری — آپ سے ہو سکا سو کر دیکھا

ان لبوں نے نہ کی مسیحائی — ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

زور عاشق مزاج ہے کوئی — درد کو قصہ مختصر دیکھا

اکسیر پر مہوس اتنا نہ ناز کرنا — بہتر ہے کیمیا سے اپنا گداز کرنا

ہم جانتے ہیں ایدرد کیا ہے کعبے — جدھر ملی وہ ابرو ہمکو نماز کرنا

عاشق بیدل ترا یا تنک توہی سے سیر تھا — زندگی کا اسکو جو دم تھا دم شمشیر تھا

ایک تو تھی تاثیر آہ آتشیں نے اس کو بھی — جب تلک پہنچی ہے پہنچی راکھ کا ڈھیر تھا

شیخ کعبے ہو کے پہنچا ہم کنشت دل میں ہو — درد منزل ایک تھی ٹک راہ کا ہی پھیر تھا

تو اپنے دل سے غیر کی الفت نہ کھو سکا — میں چاہوں اور کو تو یہ مجھ سے نہ ہو سکا

گو نالہ نارسا ہو نہ ہو آہ میں اثر — میں نے تو در گذر نہ کی جو مجھ سے ہو سکا

مژگان تر ہوں یا رگ تاک بریدہ ہوں — جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

سودا جو تیرا حال ہے اتنا تو نہیں وہ — کیا جانئے تو نے اسے کس حال میں دیکھا

دیکھا ہے مجھکو در پہ ترے جسنے ایکبار — پھر جب تلک جیا پس دیوار ہی رہا

ٹک جاگ لے تو چھوڑ کے غافل پلنگ خواب — آخر تو پھر یہی ہے کہ چھاتی پہ سنگ خواب

بیداری سحر دن کی خوشا حال زاہدا — اک ہم ہیں روسیہ کہ خراب و بنگ خواب

آہ کس سرو میں قمری ہے قد یار کیطرح — نالہ کرتی ہے تو میرے سے دلِ افگار کیطرح

کل رخصت بہار تھی شبنم صفت میں زور — رویا ہر ایک گل کے گلے لگ چمن کے بیچ

یا نسیم یا نگہ یا وعدہ یا گل ہے پیام — کچھ بھی اے خانہ خراب دل لے گئے تھا کیطرح

یہ زندگی میری وحشت کا ننگ ہے صیاد — قفس مجھے تیرے جنگل سے تنگ ہے صیاد

ہوا ہے حال یہ میرا اسکو باعث تضحیک — کہ دیکھ کر مجھے کہتا ہے شوخ ہاں فریاد

غمی پھرتی ہے یوں اس دل پر غم سے دور — جوں پھریں اہل طرب خانہ ماتم سے دور

عقل نے ایکدن آکر یہ کہا سودا سے — خواہ نزدیک ہمارے رہو خواہ ہم سے دور

لیکن اتنا ہے کہ وہ کام نہ کیجو پیارے — جس کا ثمرہ رکھے تم کو دل عالم سے دور

دیوے تھا غیر کو زکوٰۃ حسن — میں کہا کیا ہے کہنے لاگا خیر

انکار قتل سے ہے تو کرے ہے سخن ہنوز — میلا نہیں ہوا ہے ہمارا کفن ہنوز

سودا یہ کیا ہوا نہیں صحرا میں آج قیس — تھا ہی دلوں پہ داغ غم کوہکن ہنوز

سودا کا حال تو نے نہ دیکھا کہ کیا ہوا — آئینہ لے کے آپ کو دیکھے ہے تو ہنوز

فقیر اشعار حضرت میرزا صاحب را کجا انتخاب نماید کہ تمام دیوان منتخب است لہذا قلم درکشیدہ نور چراغ کعبہ و بتخانہ دود سوز دل پروانہ نسخہ ساز زخم گل دادرس نالہ بلبل حقایق و معارف آگاہ خواجہ میر متخلص بدرد سلمہ اللہ تعالیٰ مردے است عزیز و عزیزے است سراپا

ساقی بہاری تو یہ تجھ پر ہے کیوں گوارا		منت نہیں تو ظالم ترغیب یا اشارا
تیرا دل تجھ سے نہیں ملتا میرا دل رہ نہیں سکتا		غرض ایسی مصیبت ہے کہ میں کچھ کہہ نہیں سکتا

عجب ہے شیخ یہ کہتا کہ میں دنیا سے منہ موڑا
ابھی اس نے داڑھی کے سوا کس چیز کو چھوڑا

عطیش کی نہ پوچھو ان دل نے نئی صورت نکالی ہے
ٹپکتا ہے پڑا نازوں کو یوں بکتا ہے جوں پھوڑا

تجھ بن شب معاش بہت سودائی اندھیرا		تو بھی کبھی آپ ہی آ کے ستمگار دیکھنا
نے حرف و منہ حکایت نے شوق نے سخن		نے سیر و باغ نے گل و گلزار دیکھنا
نے سوتی اپنے کلبۂ احزاں میں روز و شب		تنہا پڑے ہوئے در و دیوار دیکھنا
دیکھنے کس کی میں یہاں تھا تیرا انتظار		نے صبح تا بشام کبھی آر دیکھنا
تسکین دل جو میں بھی پاتے تو بہر شغل		پڑھنا یہ شعر کبھو اشعار دیکھنا
تجھ بن دیکھ سکیں کچھ غیر میں		پر جو نہ دکھا دے سو اچار دیکھنا
جو گذری مجھ پہ مت اس سے کہو ہوا سو ہوا		بلاکشان محبت پہ جو ہوا سو ہوا
مبادا ہو کوئی ظالم تیرا گریباں گیر		مرے لہو کو تو دامن سے دھو ہوا سو ہوا
میں دشمن جان و تن کے اپنا جو نکالا		سو حضرت دل سلمہ اللہ تعالیٰ نے
جب مست چمن سے ہو چلا مخمور وہ لالا		غنچے نے صراحی لی اٹھا گل نے پیالا
کہتا ہے نگہ سے یہ تیرا گوشہ ابرو		دیکھے جو کوئی خون بگردن تو نکالا
نقشہ ہی اٹھا تھا ہو گئی پشت فلک خم		ہر گز کسی گرتے کو نہ ظالم نے سنبھالا
برہم کرے جمعیت کونین کو پل میں		لٹکا وہ تیری زلف پریشاں ہی سا دیکھا

اعزاز و امتیاز دار د الہی سایہ اش از سر بے سر و پایاں کم مباد بمجنون و فرہاد

آدم کا جسم جب کہ عناصر سے مل بنا — کچھ آگ بچ رہی تھی سو عاشق کا دل بنا

بلبل کوئی مرے تو جلے اس پہ دل مرا — گویا ہے یہ چراغ غریبوں کے گور کا

ٹوٹے تری نگہ سے اگر دل حباب کا — پانی بھی پھر پئیں تو مزہ ہے شراب کا

موج نسیم آج ہے آلودہ گرد سے — دل خاک ہو گیا ہے کسی بیقرار کا

کیونکہ وہ شوخ کتابت سے لکھے مجھ کو جسے — کھیل ہے ضد سے مری چھوڑ دیا پانی کا

زباں ہے شکر میں قاصر شکستہ بالی کے — کہ جنے دل سے مٹایا خلش پانی کا

دل مت ٹپک نظر سے کہ پایا نہ جائیگا — جوں اشک پھر زمیں سے اٹھایا نہ جائیگا

رخصت ہے باغباں کہ ٹک دیکھ لیں چمن — جاتے ہیں واں جہاں سے پھر آیا نہ جائیگا

ظالم نہ میں کہا تھا کہ اس خوں سے در گذر — سودا کا قتل ہے یہ چھپایا نہ جائیگا

داماں و داغ تیغ جو دھویا تو کیا ہوا — عالم کے دل سے داغ دھلایا نہ جائیگا

سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہکن — بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا

کس منہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہے عشق باز — اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

نواحی میں ترے کوچے کی ہے یہ حال سودا — کہ جوں جغد آشیاں گم کر کے بستی میں پھر بھٹکا

سودا ہوئے جب عاشق کیا پاس آبرو کا — سنتا ہے اے دوانے جب دل دیا تو پھر کیا

موج آتش ہے سیل آنکھوں سے — شاید اب دل کا آبلہ پھوٹا

تجھ قید سے دل ہو کر آزاد بہت رویا — لذت کو اسیری کے کر یاد بہت رویا

تصویر میری تجھ بن مانی نے جو کھینچی تھی — انداز سمجھ اس کا بہزاد بہت رویا

سودا سے کہا میں نے دل میں بھی کہو کیوں — وہ کر کے بیاں اپنا روداد بہت رویا

تا گل کو دیکھ عیش گل کے مست گئی / یہ مراد یہاں تئیں ہمکے کو اڑ دواں پیش گئی

نرگس کی تیغ اور سر آہ کی سنان / اس گلشن میں ہم سے جو تری ناک کٹ گئی

لیے ہم گل کے ہاتھوں سے جا کر ہنا ان اپنا / نہ چھوڑا ہائے بلبل نے چمن میں آشیاں اپنا

رقیباں کی نہ کچھ تقصیر ثابت ہے نہ خوباں کی / مجھے ناحق ستاتا ہے یہ عشق بدگماں اپنا

کوئی آزاد کرتا ہے سجن اپنے کو اے ظالم / یہ دولت خواہ اپنا مظہر اپنا جانجاں اپنا

اگر گل کو گل کہوں تو تیرے رو کو کیا کہوں / بولوں نگہ کو تیغ تو ابرو کو کیا کہوں

آنکھیں خون کا پیاسا کسی کی بات کا دشمن / نہایت منہ لگایا ہے سجن نے مرزاں کو

آتش کہو شرارہ کہو کو شیلا کہو / مت اس ستارہ سوختہ کو دل کہا کرو

مر ماہ دوں میرزا بن گل دیکھو سرسحر / سورج کے ہاتھ چوری رنگیا دھبا ہاتھ

مہر چھپا کے رکھو دل نازک کو اپنے تو / یہ شیشہ چھپ جیسے کہیں پتھر لگے ہاتھ

عندلیب خوش نغمہ گلشن روزگار گل سرسبد محافل اشعار یگانہ کشور فضل نقاوہ دودمان کمال انتخاب نسخہ صاحب کمالی حضرت میرزا رفیع سودا مدظلہ العالی در یکچند ہنگامہ معنی بر روے وے کشادہ است کہ دو مصرع کالک معجز طرازش شہرت را آوازہ اشعار رنگیں و قصاید متین دارد چنانچہ قصیدہ کہ دو پیکر رزمیہ بیاد بحر بیکراں و تضحیک روزگار وغیرہ از تصانیف اوست والد مرحومش میرزا شفیع نام مغل زاد بعمل تجارت مشہور بود بوقت معہودہ بقدم برین شتافت زر بسے از ترکہ وے بدست میرزا افتاد در مدت قلیل بمقتضاے شاعر مزاجی بر سبیل باد دستیہا بباد داد بمصاحب پیشگی بر آمد قبول ملوک نامدار و تقرب سلاطین عالی مقدار او را میسر گشت بالفعل بخطاب ملک الشعرائے کہ مہین پایہ سخنوراں است

می نمود چوں مستغنی المزاجش یافت نقدی مبلغ دو صد و بست روپیہ بے تکلیف نوکری بفرقۂ احدیاں بمساحیت تمام بنام او مقرر ساختہ ہر چند لائقش نبود لیکن برائے احتیاجات ضروری کہ انسان را ازو گریز نیست طوعاً و کرہاً قبول نمودہ غرض در فن شعر فارسی فکر رسائے دارد و بنا بر تفنن طبیعت دو سہ بیت از قبیل ریختہ می فرماید

اگر گل تجھ تلک پہنچے گلے کا ہار ہو جائے	ترا منھ دیکھ بلبل گل بہشتی بیزار ہو جائے
دم کا آنا حباب ہے گویا	زندگی موج آب ہے گویا
نقطۂ انتخاب ہے گویا	خال تیری بیاض گردن پر

مرہم گزار سینہ ریش معنی بادشاہ و بصورت درویش معنی آگاہ عارف باللہ مرزا جانجاناں مظہر سلمہ اللہ تعالی عالم و عامل عارف و کامل سرآمد ارباب تحقیق و پیش رو اہل تدقیق است در ظاہر و باطن مرتبہ رفیع و شانے عظیم دارد در اوائل جوانی کہ مقتضائے آن ظاہر است بشعر و شاعری مشغول بود آخر حال خود را ازاں اندیشہ باز داشتہ بر سجادہ طاعت بفقر و قناعت می گذارند و ہمیشہ ہمتش مصروف تکمیل اہل ارادت می باشد ایں چند بیت ریختہ وغیرہ تلامذہ ایں فن برائے تعلیم انعام اللہ خاں یقین موزوں کرد از دست

کہاں اس کو دماغ و دل رہا ہے	یہ دل کب عشق کے قابل رہا ہے
یہی ایک شہر میں قاتل رہا ہے	خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو
یہ سر پاؤں سے تیرے ہل رہا ہے	نہ آوے پالش مخمل ہا و پر خواب
ہائے کچھ چلتا نہیں کیا مفت جاتی ہے بہار	ہم نے کی ہے توبہ اور دھومیں مچاتی ہے بہار
کیا قیامت ہے موؤں کو بھی ستاتی ہے بہار	لالہ و گل نے ہماری خاک پر ڈالا ہے شور

غازی الدین خاں بموجب درخور میگذرانید وریں سال ازجہاں رفت

اگر بھانڈوں سے عقد نہیں پلتے ہیں ذات تو میں | تو کیوں پیسے کماتے ہیں یہ نقلیں کر براتوں میں
پلا کر مست نفر اپنے کو تاڑی | اگاڑی اصطبل کی جا پچھاڑی

طبقہ سوم

دربیان اشعار و احوال شعرائے متاخرین بر متبعان فن ریختہ مخفی و محتجب نماند انچہ اسجال اشعار و احوال شعرائے متاخرین نوشتہ می آید طرز کلام اینہا مانا بروفیہ فارسی است چنانچہ جمیع صنائع شعری کہ قرار دادہ اساتذہ اسلاف است بکار می برندو اکثر از ترکیبات فرس کہ موافق محاورہ اردوے معلی مانوس کوشش می یابند منجملہ جواز لاابالی می دانند الا ترجمان زبان مغل بریختہ کردن مقبوح است چہ دریں صورت صحت زبان یکے از ہر دو نمی ماند و اگر بعضے از اصطلاح کہ زبان زد مردم فصحائے ایں دیار بود کردہ آید چنداں مضائقہ ندارد اما اتباع و تقلید کسان طبقہ اولی کہ یک مصرع شان ریختہ و دیگرے فارسی است و در بعضے مقام ریختہ فارسی با لفاظ غیر مانوس مخلوط ہم ساختہ مذموم محض می انگارند بہر حال ایں منتخب طویل الذیل موقوف بر سلیقہ شاعر باید نمود بیش ازیں بر صداع سامعان نباید افزود اگر درخانہ کس است اشارتے بس است گوہر یکتائی سیادت لعل بے بہائے کان نجابت علت نمائے وجود سخن ملہم معنی آسمان مسکن افضل الفضلا افصح الفصحا میر شمس الدین فقیر سلمہ اللہ تعالی مرد از خاندان بزرگ در نہایت فضل و کمال است پسر نواب سعادت خاں امیر الامرائے عہد میرزا احمد کہ عبارت از سیف الدولہ بہادر است مشق سخن بخدمت آں سید جلیل القدر

در زمان سلطنت محمد شاہ بادشاہ بمنصب ہفت ہزاری و خدمات متعددہ سرافرازی داشت پیش آمدش در حضور اقدس اعلیٰ موجب حسد و غبطہ معاصرانش بود چنانچہ بعد انقضائے ہنگامہ نادر گردے بسبب رنجش نواب آصف جاہ بصوبہ داری الہ آباد رفت و بعد از چندے کہ حضرت ظل سبحانی فرمان طلب برائے او فرستادند در جواب آن عرضے کرد و مطلع ریختہ کہ بعد ازین مرقوم خواہد شد ہمان وقت موزون نمودہ در عبارت آن مندرج ساخت آخر الامر بنوشتہ وزیر مرحوم اعتماد الدولہ بہادر بحضور آمد بہ سابق اہتمام بر آن نکشید کہ قضا رگ پاں بصورت جمدھر فولاد ساختہ بدست غلام نمک حرام از عین جائے دروازہ قلعہ بادشاہے برائے رخصت روح او فرستاد حق تعالیٰ رحمتش کناد از وست

اب بھی احسان ہے تیرا جو نہوں آزاد ہم ۔ پھر چمن میں جائیں کیا منہ لیکے اے صیاد ہم

مرزا گرامی خلف عبد الغنی بیگ قبول از مردم کاشمیر است شعر فارسی بوضع خود بسیار مرتبہ می گفت چنانچہ احوالش من و عن داخل تذکرہ ہائے فارسی است و از انجا کہ چیزہائے چند از قبیل شعبدہ و نیرنگات بدست آوردہ عالمے را آب میراند و بطور ملاحدہ و زنادقہ با کمال بے معنی و بے باکی می زیست ہموارہ مطعون زبان ارباب تحقیق می بود در آخر سلطنت حضرت فردوس آرامگاہ حرف وجودش کزلک فنا از صفحۂ روزگار بر داشت گویند این شعر ریختہ از وست ۔

حاضری بن محل نہیں کھاتا ۔ بیگمی ہے پنیر منعم کا

کمترین از قوم افاغنہ از قبیلہ ترین بود و بہ ہمین نسبت کمترین تخلص مینمود در عالم ہزل گوئی و ہجو پردازی نظیر خود نداشت چنانچہ ہفصد شعر در مذمت اہل حرفہ بر سبیل شہر آشوب از وے یادگار است مدت العمر در دار الخلافہ بسر برد آخر حال در سرکار وزیر الممالک نواب

ارشاد شد کہ اے شکم پرور دیروز ما بدولت و اقبال بر آمدیم و تو از سر طعام برنخواستی عرض نمود کہ فی الواقع تقصیر دارم لیکن در آنوقت مشغول تعظیم شخصے بودم کہ تعظیم وے بنعمت وابستہ اوست و ایں کلمہ را قسمے بر زبان راند کہ بر دلہا موثر افتاد و حضرت از غایت انصاف بر استقامت وے آفریں ہا خواندند و تکلیف نوکری او را معاف

بہر صورت خدا کو دیکھنا عنوان ہے میرا	یہی توحید میں مصرع سر دیوان ہے میرا
مقابل بیٹھ کر میرے مجھے باتوں ہی میں بہلا	میرا دل لیگیا حجام کا پسر کہیں بہلا
ترے چہرے کی گرمی سے ہوئیں پیاری یوں انکھیاں	کہ جوں خورشید کی تابش سے جاتی ہیں ہرن کہلا

سلیمان نام نوجوانیست کہ در حسن و جمال عدیم المثال است دلش مفریفتہ او بود چنانچہ دریں شعر نام او آوردہ از داناست۔

اے سلیمان باخبر ہو ملک خوبی کو سنبھال	خط کا پہنچا حسن کے گڑنے کو تیرے مور چال
سادہ لوحی میں جو کچھ کہتا تھا تو سنتے تھے ہم	اب تو خط نکلا ترے اے شوخ اپنا منہ سنبھال
نہ چاٹے خون کو جس روز میرے اوسکے فاقہ ہے	رگ گردن ہے میری اوسکے خنجر کو علاقہ ہے
تجھ انتظار میں پیارے مثال آئینہ	تمام عمر بلک سے میری پلک نہ لگی
نہیں مٹنے کے کیوں رگڑے ہی سر سجدے میں آکے راہ	لگی جو بات ماتھے پر مقرر وہ تو پیش آنی
جب گفتگو میں تم نے غنچہ سے منہ کو کھولا	جھڑتے ہیں پھول گویا کیا بات ہے تمہاری

قزلباشخان امید تخلص مغل ولایت از بجائے ایران زمین است تمام عمر در عیاشی و عاشق پیشگی بسر بردہ در سنہ احد شہید مرحوم بنا بر تفرقہ ایران بممالک ہندوستان افتاد خوش طلعتاں ایں جا نہ گذاشتند کہ باز بوطن خود رود و ہمیشہ مصروف

شب ہجر میں میرے جلنے کی قدر | نہیں پوچھے شمع اسکو بجھاؤ
میرا جلا ہوا دل تھیں اس مژہ کے لائق | اس آبلے کو ناحق کانٹوں میں کھینچتے ہو
عشق گردش نیا آسمانی ہے | یہ بلا کوئی ناگہانی ہے
رات اور زلف کا یہ افسانہ | قصہ کوتہ بڑی کہانی ہے
سرخی لب ہر آن میں کچھ ہے | یوں کچھ اور رنگ پان میں کچھ ہے
اس زمانے کی دوستی کا رنگ | آن میں کچھ ہے آن میں کچھ ہے
نہیں پہنچتی ہے جب تیں اس کی نیاں تلک | تب تلک ہماری خاک کی مٹی خراب ہے
یار کا جامہ ہیں ہیگا عزیز | یوسف اپنا پیرہن تہ کر رکھے
دل کی جمعیت نہ کھو لب کھول کر | ہوتی ہے غنچہ پریشاں بول کر
بند میں مت ہو دوانے عقل کے | کر گریباں چاک چھاتی کھول کر

فضل علی دانا تخلص مولدوے شاہجہاں آباد است انچاکہ رتبہ و حالت اوست شاعری دوں مرتبہ است بخدمت مولوی برہان الدین کہ از مشائخ کبار ایں زماں است بسبب ارادت درست بکمال آزادی و آزادوضعی میگذراند ہر چند ظاہراً در ذیل خواصان بادشاہے پابند علاقہ روزگار است لیکن درحقیقت از ہمہ چیز دست بردار گویند روزے در لشکر نزدیک سراچہ خاص ہمراہ آشنایان دربار نشستہ چیزے میخوردند دریں اثنا حضرت ظل سبحانی با دو سہ خواجہ سرا از سوئے خیمہ برآمدند دیگراں دست و پا گم کردہ از سر طعام برخاستند مگر ایں یا یکسر از جائے خود حرکت نہ کرد حضرت کہ چنیں ملاحظہ کردند باز داخل سراچہ شدند روز دوم کہ ایں عزیز باریاب مجرا کردید بادشاہ فرمودند کہ پیش بیا چوبی تر دیک رفت

نادر تخلص نوجوانے بود نادرہ گوئی شعر بہ ندرت میگفت واکثر از خطوط خوب می نوشت ظاہر اور سلک رسالہ احدیان بادشاہے سرفرازی داشت قبل ازین دو سال در کوٹلہ فیروز شاہ کہ قدیم مسکن دے بود مسلول شدہ انتقال نمود۔

زلف کو کہنا پریشان عقل سے دور ہے یہ ۔۔۔ ہر گرہ میں دل ہے اس کے گانٹھ کی پونجی ہے یہ
دلبر کہیں ہو چشم سے عاشق کے دور نہیں ۔۔۔ دل مل رہے ہیں چشم کا ملنا ضرور نہیں
لپٹے ہی جا ہے چہرے سے خورشید رو کی زلف ۔۔۔ اتنی بڑی ہوئی پہ ذرا بھی شعور نہیں

میر سجاد جوانیست مستعد متوطن شاہجہان آباد بصفات حمیدہ موصوف و اخلاق پسندیدہ معروف صنائع لفظے را تیلا شہائے معین مقارن معنی نشاندہ و معنی را بوساطت الفاظ رنگین باوج سربلندی رساندہ۔

شعر گر وصف چشم میں وہ کہے ۔۔۔ ہے معنی میں اس کے یوں ایہام
کر تو باور کہ جس طرح وہ مغز ۔۔۔ ہوئیں توام میاں یک بادام

ابیات دیوانش قریب ہفصد شعر در نظر در آمدہ شعر بیحاصل کمتر می آید

کافر بتوں سے داد نہ چاہو کہ یہاں کوئی ۔۔۔ مر جائے گر ستم سے تو کہتے ہیں حق ہوا
ہوتی نہیں ہے سرد ہمارے یہ دل کی آگ ۔۔۔ لاگی ہے جس زمانے سے جلتی ہے دہر دہر
تھکی ہیں بسکہ تیرے راہ دیکھ دیکھ کے چشم ۔۔۔ مژہ سے ان کے مژہ تک ہوئی ہیں کئی کوس
رہا تو زلف میں جا دل پہ ڈر ہے آنکھوں کا ۔۔۔ بسے ہیں خونی و خونخوار خانہ جنگ پڑوس
کس طرح کوہکن یہ گزریں گی ۔۔۔ ہجر کی یہ پہاڑ سی راتیں
میرے تمام حال کی تقریر ہے یہ زلف ۔۔۔ روز سیاہ نالہ شبگیر ہے یہ زلف
اگر صبح کو محبت کسی کا لینے کو ۔۔۔ نکل کے گھر ستی آوے تو ہم سلام کریں

پائے جنگ بمیان آمدہا آنجا مع خاں مذکور بجرأت تمام کشتہ شد خدایش مغفرت کناد

خط نے ترا حسن سب اوڑا یا ٭ یہ سبز قدم کہاں سے آیا

حکیم ہاے علی خاں تخلص بشفا جوانیست مستعد کم وبیش از ہمہ جا آشنا علی الخصوص
در فن طبابت دست خوبی داشت گاہ گاہ دو سہ بیت ریختہ و فارسی نیز می گوید
بہر حال مرد خوبے است ہر جا کہ ملاقات می نماید بسیار بروے کرم پیش می آید
خدایش زندہ دارد از وست

جوں ڈاک سے دینے سے دونا کھلے ہے یاقوت ٭ چمکا ہے رنگ پان سے جوہر ترے لبا نکا

محتشم علی خاں حشمت تخلص می کرد اصلش از شاہجہاں آباد است پدر بزرگوارش
میر باقی نام از مردمان مشاہیر بود گاہ گاہ دو سہ شعر ریختہ و فارسی با کمال تازگی می گفت
و در مسلک ہر مصرعش گوہر معنی نایاب می سفت قبل ازیں ہفت سال بمرگ
دفعتہً از جہاں رفت او تعالی رحمتش کناد از وست

نکہت گل نے جگایا کسی زنداں کے بیچ ٭ پھیر زنجیر کی جھنکار پڑی کان کے بیچ

بہار آئی دیوانے کی خبر لو ٭ اگر زنجیر کرنا ہے تو کر تو

راجہ نندرام مخلص تخلص قوم کھتری وکیل اعتماد الدولہ مغفور بود باوجود جمعیت
وکثرت جواب وسوال دو بار صبح و شام شعر فارسی بدرستی تمام می گفت بخدمت
خان آرزو ہنگامہ موافقی گرم داشت و بمشورہ سخن نیز بخدمت ایشاں می کرد
چوں رواج فن ریختہ بسیار دید خودش سہ چار بیت ازیں قبیل موزوں کرد چنانچہ
ایں شعر از وست

دھیم آدمی کی کسی کی نگر از میں پڑی ہے ٭ ہاتھ ارگجے کا پیالہ نرگسی لیے کھڑی ہے

تصنیف کردہ کہ نامش بخاطر نیست و از یں قبیل چند تصانیف دیگر دارد وقتے کہ خان آرزو سراج اللغۃ تصنیف می کردند بعضے غلطی ہا برآورد ایشاں از غایت انصاف کہ خاصہ کمال است دخلہائے وے خاں برداشتند اکثر شعر پارسی می گفت گاہ گاہ دو سہ بیت ریختہ نیز موزوں نمودہ۔

وہی اک ریسماں ہے جسکو ہم تم تار کہتے ہیں | کہیں تسبیح کا رشتہ کہیں زنار کہتے ہیں
ہمیں واعظ ڈراتا کیوں ہے دوزخ کے ڈرکوں سے | معاصی گو ہمارے بیش ہیں پہ مغفرت کم ہے
نہیں معلوم کیا حکمت ہے شیخ اس آفرینش میں | مجھے ایسا خرابی کیا تجھ کو بنا جاتے

خواجہ برہان الدین عاصی تخلص از نبائر خواجہ احرار در کمال دانائی و ہشیار خرامی و بذلہ گوئی و نادر کلامی مستثنائے روزگار بود در عالم جواہر شناسی بمہارت تمام داشت مولدش شاہجہان آباد است در محلہ بہار پورہ کہ واقعہ شہر نو است با اعزاز و امتیاز بسر می برد اکثر فکر شعر مرثیہ می کرد گاہ بپاس خاطر احبا دو سہ بیت غزل نیز موزوں می نمود سابق بریں دو سال از جہاں رفت با فقیر جوششہا داشت خدایش بیامرز داز دست۔

چمن کے تخت پر جسدن شہ گل کا تجمل تھا | ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اور شور تھا غل تھا
خزاں کے دن جو جا دیکھا تھا جز خار گلشن میں | بتاتا باغباں رو رو کے یہاں غنچہ تھا یہاں گل تھا

محمد علی حشمت تخلص از مردم کشمیر بود حیا و جمیعت و آدمیت خلاف کلیہ وطن داشت سابق بریں دو سال در رفاقت قطب الدین علی خان کہ آوازہ سخاوت و شجاعت وے در اطراف و اکناف عالم شہرتے عظیم وارد و معہذا بشرح و بسط آں تنگ حوصلگی ہائے ایں اوراق برمی تابد بسمت چکلہ مراد آباد رفتہ بود چوں درانجا با فوج علی محمد روہیلہ

تمام دارد و روز جمعہ مجلس سماع بخانہ اش مقرر است اکثر قوالانِ شہر در آنجا می آیند
و دیگر مردم تقریب سماعت نیز حاضر می شوند نیکو ادائے ہائے تواجدش مشہور است
بندہ دو سہ میلانِ مجلس بخدمت میاں پاکباز ملاقات کردہ ام گویند در مبادی حال
فکر شعر می کرد و از مصطفی خاں یکرنگ اصلاح می گرفت ایں یک شعر بنام او شہرت دارد

تجھے رہتے ہیں نت درد و الم گھیرے میاں انصاف | خبر لیتے نہیں کیسے ہو تم میرے میاں انصاف

مرابو علی قلی ندیم تخلص مولدوے شاہجہاں آباد است در فرقہ کہ در خطاب خانے
سرفراز بود از سابق برین چند سال اکثر مرثیہ حضرت ابی عبداللہ الحسین علیہ الصلوٰۃ والسلام
بقوت تام و قدرت تمام می گفت و در مشکل ترین ردیف و قوانی طبع آزمائیہا می کرد
چنانچہ شہرت ابیاتش گواہ عادل ایں دعوی است بالفعل کہ طور گفتن مرثیہ بے ادبانہ
دلنشین مردم است دست ازیں کار برداشتہ بگفتنِ شعر ریختہ مشغول است حق تعالی
سلامتش دارد۔

جدائی میں تیری ہم کیا کہیں کس طرح جلتے ہیں | بجائے مو بدن سے شعلۂ آتش نکلتے ہیں
بیقرار عشق کو ہے زندگی نقص کمال | مر چکے سیماب تب کہتے ہیں یہ اکسیر ہے

جعفر علیخاں عمدہ و عمدہ زادہ مقرر لیست بطلاقت لسان و عذوبت بیان نظیر
ندارد گاہ گاہ یکدو مصرع ریختہ فارسی موزوں می کند بندہ بخانہ نواب نعمت اللہ خاں
قراول بیگیے بادشاہے بخدمتش ملاقات کردہ ام انواع شعر را بروجہ اتم می فہمد

نہ ہو گھو جی ہمارے آنسوؤں کے منزل و رہ کے | خدا جانے کدھر یہ بے سر و پا جائیں ہیں بہ کے

ٹیک چند قوم او زرگر بود بہار تخلص می کرد علم منطق و معانی مع دیگر علوم بہ ستی ورزیدہ
علی الخصوص در تحقیق لغت دست وافی داشت چنانچہ دریں باب خودش کتابے

نہ ہوتا گر کسی سے آشنا دل — تو کیا آرام سے رہتا ہمارا دل

تڑپ کر مر گئی بلبل قفس میں — پڑی تھی ہائے کس ظالم کے بس میں

محمد محسن فدوی تخلص از نجیب زادہ ہائے دہلی است با میاں مضمون و آبرو صحبتہا داشتہ است در علم موسیقی مہارتے تمام دارد و ستار را بربط نیکو می نواز و آنچہ معلوم است از استکتاب اشعار و ابیات خویش متنفر است با فقیر آشنا است۔

ایک ملنا غیر کا تو چھوڑ نہیں سکتا سجن — دیکھ تو عاشق نے تیرے واسطے کیا کیا تجا

محمد حاتم حاتم تخلص ہم صحبت میاں مضمون و آبرو است اصل دے شاہجہاں آباد است در روزگار سلطنت محمد شاہ بادشاہ منصب ندیمی و خدمت بکاؤلی نواب عمدۃ الملک مغفور پایہ امتیاز داشت بعد فوت او توکل روزگار نمود با کمال آزادگی می گزارند کلیاتش ضخیم است و ابیات دیوانش قریب چہار ہزار بیت از نظر گذشتہ شعر خوب جستہ جستہ می بر آید حق تعالی سلامتش دارد

دلوں کے راہ میں خطرے پڑے ہیں کیا یارو — کہ چند روز سے موقوف ہے پیام سلام

مت عاشقوں پہ جور و ستم اس قدر کرو — عالم کا ڈر نہیں تو خدا کا تو ڈر کرو

شہاب الدین ثاقب تخلص متوطن سیوہارا است مشق سخن بخدمت میاں آبرو کرد سابق برین چہار سال اتفاق دیدنش افتادہ الحال مفقود الخبر است شاید بوطن خود رفتہ باشد۔

ثاقب کی لاش اوپر قاتل نے آکے پوچھا — یہ کون مر گیا ہے کس کا ہے یہ جنازہ

میر مکھن پاکباز تخلص خلف الرشید میاں شاہ کمال است پدر بزرگوارش شیخ

بات منصور کی فضولی ہے ۔ ورنہ عاشق کو آہ سولی ہے

دہلی کے کجکلاہ لڑکوں نے ۔ کام عشاق کا تمام کیا

ایک عاشق نظر نہیں آتا ۔ ٹوپی والوں نے قتل عام کیا

میرزا ناصر ساماں تخلص می کرد و باکمال بے سروسامانی می زیست وطن او جونپور است در ابتدائے سلطنت محمد شاہ بدارالخلافہ اقامت داشت و اکثر بخدمت خان آرزو ملاقات می نمود دیگر احوالش معلوم نقیر نیست این مطلع از وست

انھیں کیونکر نہ اس دل سے بھلا دوں ۔ کبھو تھے آشنا ہم بھی کسو کے

رقیب اس بجانب جلتے ہیں ہیں دیکھ ۔ گویا رشتے ہیں ہیں اس شمع رو کے

بینوا تخلص شاعرے بود گمنام از ساکنان قصبہ شیام شوخ چشم ظریف طبع گاہ گاہ بطریق لطیفہ شعر بدیہہ می گفت و در اوائل سلطنت محمد شاہ بدارالخلافت رسید و از ہر یکے کہ دراں عرصہ بعرصہ بود ملاقی گردید روزے در مجلس مشاعرہ وارد شد میاں شاہ مبارک آبرو کہ احوالش گذشت بدو التفاتے نہ کرد بعد دیرے کہ چار شد نہ گفت کہ میاں آبرو صاحب شما از احوال مخلصاں این ہمہ تغافل می کنند گویا پائے بیں چشم نہ شدہ اند چوں ایشاں یک چشم نداشتہ این لطیفہ بغایت موقع افتاد و ہر یکے حضار خندہ بسیارے کرد غرض کہ از تحائف روزگار بود خدا بیشترش بیامرزد از دست

بینوا ہوں زکوٰۃ حسن کی دے ۔ او میاں مالدار کی صورت

محمد اسمعیل بیتاب تخلص می کرد شاگرد میاں یکرنگ بود گاہ گاہ فکر شعر می کرد ہنوز از مرتبہ موزونیت زیادہ بود کہ برحمت خدا رفت ۔

الو کا رسہ اسے مثل تنور مضمون — یک قرص ناں کے خاطر تو کیوں پھرے ہے بھٹکا

کلی کھلتی ہے وہاں مُسکی جہاں خندہ ونکا ہے ریلا — ہوا معلوم مجھکو یہ کر اب یاقفل کھل کھیلا

بند شیشے میں کیا ہے تو بھی پھڑکاتی ہے آنک — دختر رز کی نہیں جاتی ہے لڑنا تاک جھانک

صدق سے بوسہ طلب کرتے ہیں گر او ہنس ہے — مصحف رخسار پہ پیارے رکھا لو تجھسے ہاتھ

چاہ لگ سے جب کشتی میں وہ محبوب جاتا ہے — کبھی آنکھیں بھر آتی ہیں کبھی دل ڈوب جاتا ہے

ہمارا اشک قاصد کی طرح یکدم نہیں تھمتا — کسی بیتاب کا شاید لیے مکتوب جاتا ہے

ہم فقیروں میں تمہارا اے میاں کیا کام ہے — تم تو طالب زر کے ہو اور یہاں خدا کا نام ہے

نہ یہی فتنہ قد و قامت ہے — ہنس کے پھر دیکھنا قیامت ہے

کرتا تھا نقش روئے زمیں پر ہمیں مراد — قالی اگر نہیں تو نہیں بوریا تو ہے

ایک تو تھا ہی وہ مہ رو خود پسند — ہو گیا دیکھ آرسی کتیں دو چند

خط اس کے آگیا ہے میری ہی سفید ریش — ملنے کو ابتیں وہ بتاتا ہے شام و صبح

احسن اللہ معاصر میاں مضمون و آبرو بود دبردیہ شعرا ینہا تلاش لفظ تازہ و ایہام میکرد اما از غایت ہجوم الفاظ معنی شعرش کمتر بنظر می آید ابیاتے کہ بعد غربال کردن دیوانش برآوردہ ام اینست

قلم نستعلیق کا ہے اس بت خوش خط کے زلف — ہم تو کافر ہوں اگر بندے نہوں اسلام

نہیں مضمون خط احسن اللہ — کہ حسن خوبرویاں عارضی ہے

شرف الدین علی پیام تخلص مرد عزیز الوجود بودہ است اصلش از خاک اکبرآباد است شعر فارسی بکمال شستگی می گفت نظم ہائے رنگین و نثر ہائے متین دارد احوالش بسن و عین ذاتی متذکرہ خان آرزو است و این دو سہ شعر ریختہ نیز از وست

گرفته شود لیکن با وجود شرف اسلام اینها بسیار بعید می نهاد او سبحانه تعالی برحمت خود
درگذرد و گفتار و کردار ما فرو داز ناجی است

دو بالا ہو گئے نوری محبت آنکھوں کو متا ہے — پیالہ اور بھی پی لے سجن یہ دور چلتا ہے
مجھکو کیونکر جدا کروں اے جان — زندگانی بہت پیاری ہے
نرگس کے چمن بیچ ہرگز آتا نہیں نظر میں — دیکھی ہیں ہم نے آخر پیارے تمہاری انکھیں
ہمن سن اس بت کا فسانہ ادا کا — جیسا ہوگا کوئی بندہ خدا کا

شرف الدین مضمون تخلص از فرزندان حضرت شیخ فرید شکر گنج قدس اللہ سرہ
بجمیع صفات موصوف و بہمہ حسنات معروف بود مولدش جائے است در نواح گوالیار
که دراجه جیو می گویند چون سن شریفش از چهل متجاوز گردید دست از قید علائق برداشت
و قدم در راه آزادگی گذاشت لب دریا مسجدیست مسمی زینت المساجد او را
مسکن خود قرار داد و بتوکل میگذرانید بسکه امین و خوش صحبت بود اکثر از مردم انجا
آخر روز بطریق سیر در حلقه مجلس وارد می شدند چنانچه سعدی گوید

هر کجا چشمه بود شیرین — مردم و مور و مرغ گرد آیند

بوقت موعوده سرور پرده اختفا کشید و بعالم قدس ساکن گردید خدایش بیامرزد
شعر ریخته را بملاحت الفاظ و معنی تازه میگفت این چند بیت از وست

ہو گئے ہیں ہر مژہ کی ایسی آنسو ڈھلک دریا — کہیں کیونکر نہ چشموں کو میرے مردم پلک دریا
کہتے ہیں نوح کا طوفان میری آنکھوں سے ہم نے جیسے — گیا وہ خشک ہو کب کا یہ ہمیں رہا ابتلک دریا
افسوں مار جھٹ پٹ لیتے ہیں دلکو ڈنکا — کن ساحروں سے سیکھا زلفوں نے تیری لٹکا
چھپ کر منی زلفوں سے آ اس طرح پلنگ پر — کوئی نہ سنے نہ پیارے تیرے قدم کا کھٹکا

دیکھ سوہن تری کمر کی طرف / پھر گیا مانی اپنے گھر کی طرف

چاند تیرے روبرو خوبی کا کیوں آتا ہے لاف / وہ تو داغی ہے تیرا جوں مہر رخسارا ہے صاف

امردی ساری تم اپنی کر چکے کتب میں صرف / اب تو خط نکلا ملو گے کیوں نہ اسپیغی یا ہے حرف

جو کوئی کچھ کہے پگھل جاوے / شمع رو ہے ہمارا موم کی ناک

لیجاوے شہر شہر پھرا وہ بھی دشت دشت / کرتا ہے آدمی کو نہایت خراب دل

پیالا پیوے ہے سو نہوروں سے / کھولے ہے لب ہزار زوروں سے

نہ سیر باغ نہ ملنا نہ میٹھی باتیں ہیں / یہ دن بہار کے اے جان یونہی جاتے ہیں

ہمیں تو بوسہ نہ دینے کہا نہ کہہ کے دیا / جنہوں سے وعدہ کیا تھا انہیں چاہتے ہیں

مت کرا تنا جور اس پر جان آخر دل ہے یہ / ٹک پھڑک لینے دے اسکو چھیڑ مت بسمل ہے یہ

چراغ و شمع کی پروا نہ رکھ یہ تجھکو بالا ہے / نظر کرو لگی آنکھوں سے اندھیرا بھی اجالا ہے

سمجھتے تھے سبھی بنت العنب کو باکرہ یارو / سنو یہ بات بدمستی میں ایکدن ہم سے چھوٹی ہے

اس گلے رخسار دیکھ جیتا ہوں / عارضی میری زندگانی ہے

میرے دلکو تو زخمی کر چکے تم / اگر سر چاہتے ہو یہ جدا ہے

تبسم نت رقیبوں سے خلل ہے / ترے بھاویں ہنسی میری اجل ہے

کیا فردا کا وعدہ سرو قد نے / قیامت کا جو دن سنتے تھے کل ہے

جان ہنے جوڑا ہے دلبر ہے / پر یہ مشکل کہ طالب زر ہے

لب جانبخش آگے تیرے سجن / جو مسیحا کا نام لے خر ہے

یہ سخن غلط کی بات چلی تو اپنی دہن میں آ پکا ہے / خدا حافظ تیرا دو رخ بھی ایک شرعی ڈر کا ہے

شعر خوبی است اما آن سر کفر افتادہ است ہر چند شطحیات شعرا پیش ازاں است

بتاں جو ہجر کی باتیں ہمیں سناتے ہیں — کچھ اُن کا دوس نہیں یہ خدا کی باتیں ہیں

محمد شاکر ناجی تخلص سپاہی پیشہ بود در مطاوے کہ مصرع شعر پرداز معنی آبدار ودیعت می نہاد و بجد رسی طبع و رسائی فکر داد سخنوری می داد و زادگاہ او دار الخلافت شاہجہان آباد است برادر فقیر کہ منعم تخلص می کرد و شعر فارسی بسیار بتلاش ہائے نیکو می گفت رابطہ اتحاد مربوط داشت گاہ گاہ بتقریب خانہ تشریف می آورد بندہ خود در خورد سالے اورا دو سہ بار دیدہ ام مزاجش خیلے مائل مزاح بود او تعالی رحمتش کناد

ہوا بازار گل کا دیکھ تجھ رخسار کو مندا — جو دیکھے تجھ قدِ آزاد کو طوبی تو ہو بندا
نہ پوچھو جو دیکھو ہے عارض خورشید کی خوبی — لیا ہے ذرہ ذرہ حسن مہ رویاں سے کر چندا
بلند آواز ہے گھڑیال کہتی ہے کہ ای غافل — گھٹی یہ بھی گھڑی تجھ عمر سے اب تک نہیں چیتا
تجھ دلکو اپنی زلف میں دے جا سمجھ کے یار — نکلے گا پھر نہ دیر میں ٹٹوں دھا ہوا
یہ داؤ کھا بنے کا لگتا ہے لالچی سا — حجامیوں سے مل مل انگل رہا ہے کچھ
مجھکو باتوں میں لگا معلوم نہیں کیا کہہ گیا — لے گیا جب دل تئیں منہ دیکھتا میں رہ گیا
ڈوب کئی گئے ملک جب کھلے لب دریا پہ زلف — حیف ناجی کو نہ پوچھا کس لہر میں بہ گیا
دہن جب لال ہو پانوں سے پی کا — خدا حافظ ہے تب غنچے کے جی کا
ترے رخسار کے پرتو سے اے شیخ — پری خانہ ہوا گھر آرسی کا
اس مغل زادے کے کھو بابا سے رکھ اسکو عزیز — مول ہے سارے بدخشاں کا یہ بیٹا لعل سا
بہا ستا ہو یا مہنگا نہیں موقوف غلے پر — یہ سب خرمن اسی کے ہیں خدا ہے جس کے پتلے پر
شربت انگل کر نہ زاہد آتشیں لب سے کچوں — شرم کر داڑھی کی کیوں شعلے کئے لیتا ہے پھونس
رنگ میں ہیگا تراری اور نپٹ ملنے میں گرم — اس طرح کا سانورا کیا ہے بچوا اصل ہو مگر

گر خبر لینی ہے تو لے صیاد
ہاتھ سے یہ شکار جاتا ہے

میکدہ میں گر سراسر فعل نا معقول ہے
مدرسا دیکھا تو وہاں بھی فاعل و مفعول ہے

میر سعادت علی سعادت تخلص متوطن قصبہ امروہہ از فرزندان حضرت شاہ ولایت در کمال خوبی آدمیت است ریختہ را تبلاش بسیار می گفت و در اقران و امثال خود امتیاز تمام داشت ہنوز مشقش بپہل نہ رسیدہ بود کہ بہ آزار تپ محرقہ از جہاں رفت خدا اُش بیامرزد ایں چند بیت از دست۔

ہوش کھوتے ہیں میر یار وہ انکھیاں پر مست
بس کہ ہوں کم ظرف ہو جاتا ہوں پیالو دیکھ مست

لکھا چاہے ہے تیرے قد کی تعریف
انپس کو کیا تراشا ہے قلم نے

شیخ تو جاتا ہے کیوں تسبیح کا داں دام لے
وہ صنم کب رام ہوتا ہے خدا کا نام لے

یہ دانا ہیں دوانے جو مجھے زنجیر کرتے ہیں
میرا کوئی دم میں جی نکلے ہے یہ تدبیر کرنے دو

بت دکھا اس طرح کی آن مجھے
کوئی دم جیونے دے جان مجھے

مثل آئینہ سادہ رویوں سے
موہنہ ہی دیکھے کی آشنائی ہے

شاہ ولی اللہ اشتیاق تخلص باوجود مذاق علمے چاشنی فقر داشت در کوٹلہ فیروز شاہ سکونت داشت اکثر اوقات عزیز بیاد الہی بسر می برد ہرگاہ کہ از تدوین و ترتیب نسخہ عوتی فراغتش روے می نمود چیزے از قبیل فارسی بر سبیل تفنن فکر می کرد بندہ روزے بخدمتش حاضر شدم حرفہائے بامزہ می گفت مدت ہفت سال شد کہ بدار البقا انتقال نمود۔

لڑکوں کے پتھروں سے لگے کیونکہ اُسکو چوٹ
ہر ایک گرد بالے ہے مجنوں کو ڈھول کوٹ

چھوڑ کر تجھکو ہمیں بوسہ ہے جب لاگ لگے
نہیں مہندی یہ ترے تلووں سے آگ لگے

دل کے چھینے کو یہ لپک چلنا | سحر ہے ٹوٹکا ہے افسوں ہے

تسبیح خرقے نہیں جب مراقب ہو | گریہ مسکین ہے موئی جوں ہے

پوچھی آ بروبرو ناویں دل میں ہزار باتیں | جب روبرو ہو تیرے گفتار بھول جائے

دل کب آوارگی کو بھولا ہے | خاک اگر ہو گیا بگولا ہے

پھرتے تھے دشت دشت دوانے کدھر گئے | وے عاشقی کے آہ زمانے کدھر گئے

پنے نام ہے بتایا نہ گھر کا دیا پتا | پوچھوں میں کس طرح کہ فلانے کدھر گئے

اٹھ چیت کیوں جنوں ستی خاطر نچنت کی | آئی بہار تجکو خبر ہے بسنت کی

جیونا مثل حباب اس جگ میں دم کا ہیچ ہے | یہ گرہ کھل جا تو دیکھو زندگانی ہیچ ہے

کام کرتی ہے تری دستار کاکل کا تمام | سر تمہارے پر جن ہر پیچ ڈھیلا پیچ ہے

زندگانی تو ہر طرح کاٹے | مر کے پھر جیونا قیامت ہے

معشوق ہے وہی کہ وہ اپنے کہے کرے | اور ہم کریں جو منع نہ مانے وہی کرے

تبسم سے مجھے اس کو نظر سے | کیا ہے دو کو راضی کس ہنر سے

مصطفی خان یکرنگ تخلص معاصر میاں آبرو است بخدمت خان آرزو مشق سخن می کرد ابیات دیوانش ہمگی و تمامی قریب بالصد شعر خواہد بود سوائے اینکہ نبیرۂ خانجہان بودہ است و در سلک ملازمان بادشاہ منسلک بود و دیگر احوالش معلوم بندہ نیست ابیاتے کہ از دیوانش فراہم آوردہ ام این است۔

چاہتا تھا کہ کہئے عشق کی باتیں یکرنگ | کیا کرے ہائے اسے طاقت گفتار نہیں

برگ حنا اوپر لکھو احوال دل میرا | شاید کبھو یہ جا لگے اس دلربا کے ہاتھ

نہ کہو یہ کہ یار جاتا ہے | میرا صبر و قرار جاتا ہے۔

ابھی کیوں آپ کو مشہور کرتے ہو تم
مانگتے کیا ہو سجن کچھ ہم پہ دھرتے ہو تم

نجر دیکھ خواب گلشن میں جب تم نے ملی انکھیاں
گئیں موند شرم سے نرگس کی پیاری جس کی انکھیاں

دور خاموش بیٹھ رہتا ہوں
اس طرح حال دل کا کہتا ہوں

جب چمن میں جاکے پیاری تم نے زلفیں کھولیاں
لے گئی باد صبا خوشبو کی بھر بھر جھولیاں

گلی اکیلی ہے اور یہ اندھیری راتیں ہیں
اگر ملو تو سجن سو طرح کی باتیں ہیں

اے شوخ بے تمیز تجھے کچھ ادب نہیں
معشوق گر ہوا تو خدا کا غضب نہیں

کہتا ہوں میں پکار سنو کان دھر سجن
جو اور سے ملو گے تو دیکھو گے ہم نہیں

سر تا قدم پیار سے دست دعا ہوا
تیرے بھولے دیکھ خنجر آب آئینہ

کیوں ملامت اس قدر کرتے ہو بے حاصل ہے
لگ چکا اب چھوٹنا مشکل ہے اس کا دل ہے

لٹک چلنا سجن کا بھولتا نہیں ایک مجھ کو
طرح وہ پاؤں دھرنے کی میرے آنکھوں میں پھرتی ہے

رستم اس مرد کی کھاتے ہیں قسم زوروں کی
تاب لاوے جو کوئی عشق کے جھکجھوروں کی

لب شیریں پہ سر سجن کے نہیں خط سیاہ
ڈار ٹوٹے ہے مٹھائی پہ شکر خوروں کی

آبرو کو نہیں کم ظرف کی صحبت کا دماغ
کس کو برداشت ہے ہر دم کے ٹکو تڑوں کی

کیا بری طرح بھوں مٹکتی ہے
کہ مرے دل میں آکھٹکتی ہے

زلف کی شان ٹک اوپر دیکھو
کہ گویا عرش میں لٹکتی ہے

تمہاری لوگ کہتے ہیں کمر ہے
کہاں ہے کس طرح کی ہے کدھر ہے

شخصے در تعریف ایں شعر لطیفہ گفتہ کہ کلا چہ خوب شعر اندھا گفتہ است

ہیں بنگ کے نقشے میں ہزاروں طرح کے رنگ
سب بوٹیوں کے بیچ مرصع ہے یہ جڑی

دشمن جاں ہے تشنہ خوں ہے
شوخ ہے بانکا ہے غضب بھوں ہے

ایں ستم کہ شاعران ابتدائی زمانہ محمد شاہ باعتقاد خود تلاش الفاظ تازہ وایہام نمودہ شعر را از مرتبہ بلاغت انداختند تا بمعنی چہ رسد غرض ناگفتہ بہ مصرع خطائے بزرگاں گرفتن خطا است۔ بہرحال فقیر دادیں ایں اعزہ فراہم آوردہ اشعار جستہ جستہ بسعی تمام موافق فہم ناقص خود بوضع انتخاب قلمی نمودہ حق تعالیٰ توفیق کرامت فرماید شاہ مبارک متخلص بہ آبرو مردے بود درویش منش قلندر مشرب متوطن گوالیار از فرزندان محمد غوث بعالم حسن پرستی اشتہار تمام داشت چنانچہ مثنوی صد و پنجاہ بیت در باب تعلیم آرائش خوباں روزگار بسیار سدانت موزوں کردہ است بالجملہ شعر ریختہ بوضع خود بسیار مربوط می گفت و مشق سخن بخدمت سراج الدین علی خاں آرزو میکرد کہ بالفعل در فضیلت و کمال فوقش متصور نیست حق تعالیٰ سلامتش دارد وزیادہ بریں از کمالات آں بزرگوار مثل من ہیچمداں چہ نویسد کہ شلمہ قطرہ آب با عماں نمودن و سیاحت افلاک پیمودن است ہر چند دماغ ہیچ شخص بریختہ و فارسی کند لیکن وسعت اخلاقش تا بحدیست کہ شعر میاں آبرو را بنظر اصلاح ملاحظہ می نمودہ بلکہ گاہ گاہ بپاس خاطر او خود ہم دو سہ بیت ازیں قبیل می فرمودہ

از آرزو دست

وعدے تھے سب خلاف جو اس لب سے ہم نے	یہ لعل قیمتی دکھو جھوٹا نکل گیا
میرے شوخ خراباتی کی کیفیت نہ کچھ پوچھو	بہار حسن کو دے آب جب اُن نے چوس کھینچا
میخانہ بیچ جا کر شیشہ تمام توڑے	زاہد نے آج اپنے دل کے پھپھولے پھوڑے
رکھے پیارہ گل کو پھول آگے عندلیبوں کے	چمن میں آج گویا پھول ہیں تیرے شہیدوں کے
دریا عرق میں ڈوبا تجھ سیم تن کے آگے	موتی نے کان پکڑا تیرے سخن کے آگے

خواجه عطا۔ عطا تخلص از رندانِ نامدار و سرکردۂ ہائے اوباشانِ روزگار بود در عہد عالمگیر بادشاہ۔ بآنکہ نہج ہی اشتہار داشت از غایت شہرت محتاج تعریف نیست این دو شعر ریختہ از دست۔

اے در نبرد حسن تو کیسے بچہار چشم — زیر شرہ نہفتہ چوآ ہو بچہار چشم
ہو شب بکوئے دوست عطا ہم بہار ہے — تو بھی کہو بسر کہیں در پر کہسار چشم

میر جعفر۔ جعفر تخلص سید صحیح النسب بود چوں اساس سخنوری بر زٹل قافیہ گزاشتہ بر بنا علیہ ٹلیش می گفتند داز بسکہ کلامش در عوام شہرت تام یافت اعزہائے آں زماں بپاس آبروے خویش باوے بسلوک شایستہ پیش می آمدند گویند روزے بخدمت مرزا عبد القادر وارد شد پریشان بعد استماع نظم و نثرش چند اشرفی بطریق انعام مرحمت فرمودند بوقت رخصت این مصرع برخواند و در رفت مصرع ظہوری و عرفی ہ پیش تو ہیش۔ غرضکہ از تحائف روزگار بود اکثرے از مزخرفاتش مشہور خواص و عوام است و کلام مضحکش اشتہار تمام دارد از نہایت ابتذال احتیاج نوشتن نیست۔

طبقۂ دوم

در ذکر کلام سخنوران متوسطین برشناسائے اسلوب سخن مخفی و محتجب نیست کہ از عہد عبد اللہ قطب شاہ گرفتہ تا زمانہ بہادر شاہ کسانے کہ شعراے ریختہ اند نسق کلام اینہا بسیار مربوط و معقول است ہر چند کہ اکثر الفاظ غیر مانوس گوش ما مردم مستعمل ایشاں است لیکن چوں موافق زبان دکھن است درست است پیش ہمہ کس راہ بدہ دارد و نہ

ایسے رہنے کو دنیا میں مکان عاشق	کوچہ زلف ہے یا گوشہ تنہائی ہے
دل چھوڑ کے یار کیوں کے جاوے	زخمی ہے شکار کیوں سکے جاوے
جب تک نہ ملے شراب دیدار	آنکھوں سے خمار کیونکے جاوے
انجھوا نکے اگر مدو نہ ہوے	تجھ دل سے غبار کیونکے جاوے
غنیمت بوجھ ملنے کو دلی کے	نگاہ پاک بازاں کیمیا ہے
آغوش میں آنے کی کہاں تاب ہے تجھکو	کرتی ہے نگہ تجھ قد نازک پہ گرانی
ہم کو شفیع محشر دیں پناہ بس ہے	شرمندگی ہماری عذر گناہ بس ہے

موسوی خاں فطرت در شعر تخلص می کرد و جائے موسوئے می آورد تازہ آمد ولایت است و احوالش داخل تذکرہ ہائے فارسی است در زمان سلطنت عالمگیر بادشاہ بمنصب سہ ہزاری و خدمت خالصہ شریفہ ممتاز بود روزے حضرت بادشاہ در اقتضائے مہمے متردد بود صورت واقع بر سبیل مشورت بہ برد و نوع با خان مذکور تقریر فرمودند بعد تامل بعرض اقدس رسانید کہ باعتقاد غلام حرف ثانی معقول است باستماع این کلمہ رائے حضرت بر نامعقول بودن سخن اولی انتقال نمودہ روئے توجہ ازیں بے گناہ گردانیدہ بطرف دیگر مشغول شدند چوں ایں عزیز بمغز کلام وارسید خجالت بسیار کشید بعد برخاست دیوان کہ بخانہ خود آمد بیمارے بہم رسانید اطبا بموجب امر حضور بمعالجت وے حاضر شدند پس از تشخیص معلوم شد کہ زہرہ اش آب شدہ است بالجملہ او از ہمیں آزار شام ہا کرد کہ بمقر اصلی رو آورد گویند ایں شعر ریختہ از وست شاید بتقریبے گفتہ باشد۔

از زلف سیاہ تو بدل دھوم پڑی ہے	در گلشن آئینہ گھٹا جھوم پڑی ہے

ٹک ولی کی طرف نگاہ کرو — صبح سے منتظر ہے درشن کا

نہ پوچھو عشق میں جوش و خروش دل کی ماہیت — برنگ ابر دریا بار ہے رومال عاشق کا

پھر میری خبر لینے وہ صیاد نہ آیا — شاید کہ میرا حال اسے یاد نہ آیا

دیکھ احوال مرا صبح شفق سے ولی — ہاتھ سوں ہاتھ ملا درد سوں سینہ کوٹا

صنم کے لعل پر وقت تکلم — رگ یاقوت ہے موج تبسم

زندگی جام عیش ہے لیکن — فائدہ کیا اگر مدام نہیں

ڈالے اکھاڑ کوہ کو جوں کاہ اپوتے — عاشق کی آہ سرد کہ جسیں [illegible] نہیں

خوبرو خوب کام کرتے ہیں — یک نگہ میں غلام کرتے ہیں

یکبار اگر بات میری گوش کرے تو — ملنے کو رقیباں کے فراموش کرے تو

صحبت غیر میں جایا نہ کرو — درد مندوں کو کڑھایا نہ کرو

دل کو ہوتی ہے سجن بیتابی — زلف کو ہاتھ لگایا نہ کرو

اس کے قدم کی خاک سے ہے صد حشر نجات — عشاق سے کہو کفن میں رکھو اس عبیر کو

عجب کچھ لطف رکھتا ہے شب خلوت میں گلرو سے — خطاب آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ

دیکھتا ہوں جسے وہ مبتلا ہے — خوباں کے نگہ کیا بلا ہے

گر تجھ کو ہے عزم سیر گلشن — دروازۂ آرسی کھلا ہے

ادا اس گوہر کان حیا کی کیا لکھوں خوبی — مرے گھر اس طرح آتا ہے جوں شیشہ میں پری آوے

جاگیر ساتھ کب دل وحشی کو کام ہے — تجھ زلف کا خیال [illegible]

جس وقت تبسم میں وہ غنچہ دہن آوے — گلزار میں کلیوں کے دہن پر سخن آوے

عالم میں ترے ہوش ربا کی تعریف کیا ہوں — ایسا تو نکر کام کہ تجھ پر سخن آوے

بعضے ازیں احوال و اشعار که سابق مرقوم شده زبانی مرزا ابو طالب مسطور بمرزا صاحب
رسیده بود و از ایشان علی سبیل ذکر و مذکور بفقیر معلوم گردیده این یک شعر از طالب است

ہمراہ لگے جوں چشم سے آلودہ کب کرے   وہ پیک ہے جسے گرانی سبوے زگاہ غلتے

شاه ولی الله ولی تخلص شاعرے است مشهور مولدش گجرات است گویند به نسبت
فرزند شاه وجیه الدین گجراتی که از اولیاے مشاهیر است افتخار را داشت در سن
چهل و چهار از جلوس عالمگیر بادشاه همراه میر ابو المعالی نام سید پسرے که ولش فریفته
او بود بجهان آباد آمد گاه گاه بزبان فارسی دو سه بیت در وصف خط و خالش
می گفت چون در آنجا بسعادت ملازمت حضرت شاه گلشن قدس سره مستعد بگفتن شعر
بزبان ریخته امر فرمود این مطلع نغز   موزون کرده حواله او نمودند۔

خوبی اعجاز حسن یار گر انشا کروں   بے تکلف صفحهٔ کاغذ ید بیضا کروں

بالجمله همین بقول زبان ایشان سخن این را چنان حسن قبول یافت که هر بیت دیوانش
روشن تر از مطلع آفتاب گردیده و ریخته را قسمے بفصاحت و بلاغت می گفت که اکثر
استادان آن وقت از راه هوش شعر ریخته موزون می نمودند چنانچه قدوة السالکین و
زبدة الفاضلین حضرت میرزا عبد القادر بیدل رضی الله عنه نیز درین زبان غزلے گفته
مطلع و مقطعش این است۔

محبت لو چھپے دل کو یا تیر پیتل کہاں آن ہم میں   اگر ہا جس بے نشاں کا حاصل کہاں آن ہم میں
جب دل کے آستاں پر عشق آن کر پکارا   پردے سے یار بولا بیدل کہاں ہے ہم میں

و چند بیت که فقیر موافق فهم ناقص خود از دیوان ولی مذکور منتخب ساخته این است۔

دل کو گر مرتبہ ہو درپن کا   مفت ہے دیکھنا سجن کا

لوگاں کہیں پتھر ہے کچھ سخت نہیں ہی لیکن
جو کوئی بتاں سے بچھڑا وہ سخت ہی پتھر ہے

سراج تخلص شخصے از متوطنان اورنگ آباد است انچہ از سلیقہ شعرش معلوم میشود بسیار بیدرستی حرف میزند۔

بن تجھ آنسو نہیں شراروں کی کیا کمی
جس رات چاند ہو نہ ستاروں کی کیا کمی

رفوگر کو کہاں طاقت کہ زخم عشق کو ٹانکے
اگر دیکھے مرا سینا رفو چکر میں آجائے

نہیں حقیقت میں حسن و عشق جدا
طوق قمری کا ہے طرۂ شمشاد

محقق تخلص شخصے است بندہ از احوالش خبر ندارم این ایک شعر بنام او بر پشت بیاض کہنہ کہ از ملکیت ابوطالب مرحوم بود در ذیل شاعران دکھنی نوشتہ دیدہ ظن غالب است کہ داخل ہالماجرکہ باشد واللہ عالم بالصواب

تم ہر کسی سے وعدہ دیدار مت کرو
اپنی زباں سے جھوٹ کا اقرار مت کرو

ہاشم تخلص شاعر دکھنی است انچہ از طرز کلامش مفہوم میشود بسے سخن داشتہ۔

دکھن ہور ہند کے دلبر ہمن سوں بیحجاب اچھے
کہ گھر سے چاند سے پر جنکے خط کے بیچ تاب اچھے

ہاتف تخلص شخصے در دکھن بودہ است این یک شعر بنام او در بیاض سیادت پناہ میر محمد شاہ کہ یکے از آشنایان والد فقیر مؤلف بودہ اند نوشتہ شعر مذکور این است۔

انکھیاں تیرے اور زلف سے کافر ہوا سارا جہاں
اسلام اور تقوی کہاں زاہد اور مسلمانی کدھر

میرزا ابوطالب المتخلص بطالب مردے بود ہفتاد سالہ از متوطنان قصبہ بلند کہ در نواح اورنگ آباد است در لشکر بہادر شاہ سابقہ آشنائی با عموے بزرگوار حضرت مرزا رفیع صاحب بہم رسانید ہمراہ لشکر ظفر اثر برفاقت ایشان برائے کار جاگیر خود بدار الخلافت شاہجہان آباد رسیدہ تا مدتے کہ اقامت نمود ہمخانہ ایشان بودہ

صوبہ دار دہلی بود ہر دو باتفاق برائے دیدن وے بدار الخلافت آمدند چوں نسق کلامش بنا بر کثرت صحبت خاطر نشین ایشاں گردید متبع او گشتند چنانچہ از روے اشعار ایں ہر دو بزرگوار پیدا است۔ از آزاد۔

کوئی کسی ہی فن میں ہم ساتھ بر نہ آیا　　پر جسے یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا

از فراقی

فراقی کشتہ ہوں اُس آن کا جس دم کہ وہ ظالم　　کمر سے کھینچتا خنجر چڑھاتا آستیں آوے

احمد گجراتی شعر ہندی می گفت کہ عبارتے از گیت و دوہرہ باشد در علم سنسکرت و بھاکا ید طولی داشت و در فن خود سر آمد روزگار بود و الحق کہ دو سہ دوہرہ از تصنیفش شنیدہ شدہ مذاق کلامش بسیار دل نشین است چوں معاصر شاہ ولی اللہ ولی بود گاہ گاہے فکر شعر در ریختہ نیز می نمود چنانچہ ایں دو سہ بیت از نتایج اوست

شب چھوٹے وعدوں پر جو تیرے ہم بہاگ گئے　　کوئی لاکھ بار گھر سے اوٹھے و تا لگ گئے
پوچھے تھے کل یہاں سے آپس دیکھے نہیں خبر　　سو آج لا کے سر سے میرے پٹک گئے
احمد بتا میں کیا کروں اب راہ عشق میں　　ایک سانجھ پر گئے ہے دو جی پاؤں تھک گئے

فخری تخلص شخصے بود از شاگردان ولی بسیار بصفائی گفت چنانچہ از سیاق و سباق کلامش پیدا است دیگر احوالش معلوم بندہ نیست

دیکھوں میں جب تجھے تو چکا چوندہ لگے ہے　　دیکھا ہے یار کتنے نظر بھر کر آفتاب

ہمو نیز از دکھن است گویند معاصر فخری است بلکہ با او چیزے قرابت ہم داشت بالفعل از خاطر رفتہ است۔

ہر چند ہمیں سب سوں اٹھایا ہے ہات
اس پر پھر بھی نہ آزاد کہائے ہیہات

عالم میں ہر ایک یہ کہتا ہوگا
دکھن میں ہے تا و راچھوں در قید حیات

لطف علی لطفی تخلص شاعر دکھنی است و دیگر احوال او معلوم بندہ نیست کہ کیست
و کجائیست این یک شعر بنام او مسموع است۔

میں عشق کے گلی پریں گھائل پڑا تھا تس پر
جو بن کا ماتا آکر مجکو کھندل گیا ہے

مہر علی رافت در کمال شوخ و ظرافت پسر خطیب بادشاہی است از غایت
سبک مزاجی و زیاد گوئی معاصران خود را بطعن و استہزا می رنجانید و ہیچکس را در برابر
خود معتقد نمی نہاد روزے در مجلس پدر بزرگوارش کہ بسخن فہمی و نکتہ دانی نظیر
نداشت بتقریبی ذکر شعر مشکل بمیاں آمد چوں در استکشاف معنے آں اندکے تامل
کرد بسرے او چشمکے زد و گفت بابا نے خدایا خطیب کا وارین جنس نباسخنان نا ہموار
از وے مسموع است الجملہ از طرز اشعارش معلوم می شود کہ سخنش بجاتی نرسیدہ
بود او تعالیٰ رحمتش کناد

موتے دریا میں ایسے سکے تن کاں اگر ہووے
کہ تمہیں کے وہ نباکو تن سے ہمسر ہووے

پنچھیا دانسے زمیا کے انکھیا انکا لوہو
یوں بھی ہنسا سے بولے کہ آیا مت بار روئے

نقیر اللہ تخلص بآزاد از متوطنان بلدہ حیدرآباد است ہنوز از صغیر سن برنیامدہ
بود کہ پدرش برحمت خدا رفت اکابران محلہ نظر بر یتیمیش نمودہ عزیزی داشتند
چوں جواں شد سودائے زلف عنبرینے در سرش پیچیدہ دکارش بآوارگی انجامید
مکان معین نداشت خانہ بدوش می گردید چنانچہ ایں عزیز گفتہ

فراقی تخلص کہ بندہ از احوالش کما ینبغی اطلاع ندارم در آں ایام کہ محمد یار خاں

سید شجاع الدین نوری تخلص هرچند از سادات بلدهٔ گجرات است اما تمام عمر بعلاقهٔ روزگار در حیدرآباد بسر برده آخر حال بعهدهٔ تعلیم پسر وزیر سلطان ابو الحسن پایهٔ امتیاز یافت چندے بمنصب معهوده قیام می نموده که ناتوان بینان روزگار بر سبیل حسد بعشق وزیر زاده متهم ساخته از خدمت مامورہ باز داشتند چون بوقوع این حال سید بیچاره انفعال کشید بے اطلاع همه کس از حیدرآباد برآمده در قصبه بلشده رخت اقامت انداخت ونهال جایگاه بجوار ایزدی پیوست

نوری اِس کے دل کے کو سیے نکہ بیتھا ۔ جاں بھلا اب اس سے دیوا جو تھا سو تھا

شاه قلیخاں شاهی تخلص از متوطن بھاگ نگر بود بدرستی طبع ورسائی فکر داد سخن سرائی میداد مدتے بتوسل نوکری پادشاهی در بلدهٔ حیدرآباد می گذرانیده آخر حال بمنصب ذی بیچے تا ناشاه معزز و مباهی گشته اکثر حسب الایما پادشاه مذکور شعر مرثیه فکر میکرد چنانچه سابق بر این پنجاه سال ابیات و مرثیه اش در بلاد هندوستان دست بدست گردیده اند و بالفعل خبر اند از اس بگوشهٔ خمول کو انند فرسوده و آخر یده سوائے این مطلع اشعار غزل از وسے مسموع نیست

ملا تہیں کا غیر سے کوئی جھوٹ کوئی سچ کہیے ۔ کس کس کا منہ موندوں سجن کوئی کچھ کہتے کوئی کچھ کہیے

میر عبد القادر قادر تخلص از باشندگان حیدرآباد است چشم عبرت بین و دل حسرت گزین داشت چون سن شریفش از پنجاه متجاوز گردید بردست یکے از مشائخ اندیار که نسبت بشیخ شهاب الدین سهروردی می پیوست خرقه پوشیده تا آخر عمر بخدمت شریفش بسر برده شاقه گذرانید این رباعی از مصنفات اوست ۔

رباعی

مردم آں دیار نرگس آسا بر بیاض دیدہ تلمے می سازند و از شہرے بشہرے می برند در حقیقت دو سہ چار بیتش کہ ازاں جملہ مخلے سوامع اہل ہنداست خالے از حسن لطافتے نیست چنانچہ ایں ابیات از ہماں مثنوی است

عرق نئیں پہ چوں آرسی میں حباب ۔ تبسم لباں پر چہ موج شراب

زنخ جوں مرادے سبو کا ۔ پہ کب پڑ سکے ہاتھ واں دیو کا

محمد غوث غوثی تخلص خلف الصدق مولانا قطب الدین قاضی حیدر آباد است در جمیع علوم و فنون مشار الیہ بود و ہمیشہ بدرس و تدریس اشتغال داشت گاہ گاہ بمقتضائے موزونی طبیعت دو سہ مصرع ریختہ فارسی نیز موزوں می گردد در آخر عمر در زو طلب دامنگیر حال او شد از خویش و قوم بر آمدہ بزیارت حرمین شریفین راہ ہما شد تشریفاً استعداد گردیدہ و ہم انجا ودیعت حیات سپرد ایں دو بیت از ریختہ از واردات خاطر او ست

تیغ بھواں کی کن کہا گھائل نکو کرے ۔ پلکاں کیرہا خنجر ستی بسمل نکو کرے

کاتو جلاد را کہہ کرد راضی ہیں ہمن ۔ سب کچھ کرد پہ ایک کٹھن دل نکو کرے

روحی تخلص مردے از پیرزادہائے حیدر آباد است روزگارے بہیا و عافیتے گوارا داشت و بخلاف احوال پراگندہ طبعان ہرزہ روزگار و پریشان خاطران تفرقہ شعار می زیست در اوائل جوانی بشعر و شاعری مشغول بود آخر ازاں اندیشہ باز گردیدہ مدت عمر بر سجادہ طاعت بفقر و قناعت گذرانیدہ این دو بیت ریختہ از وے یادگار است

درپن ستے نگاہ کو مائل نکو کرے ۔ یہ دکھ اپس کے واسطے حاصل نکو کرے

خنجراں اتے کہ عہدہ براٰ نہیں ہوکے بوند ۔ پلکاں کو میرے جیو کے مقابل نکو کرے

نیز طبع موزوں داشت اکثر در مرثیہ حضرت ابی عبداللہ الحسین علیہ الصلوٰۃ والسلام شعر
می گفت وگاہے بنابر تفنن طبیعت بحسب اتفاق دو سہ بیت جستہ جستہ در وصف خط و
خال غزالان شہرے ہم می نوشت چنانچہ ایں مطلع ازوست ۔

کسدر کہوں کا حال جاوں کدہر مجھ دل پہ کٹھن بپھرا ہے   یک بات کہے ہوں گئے سجن یہاں جیو بارہ باٹ ہے

واکثر مستعدان ایں فن کہ در آں وقتے بودند مردم ایں دیار بر اشعار و احوال یکے
ازینہا اطلاعے نیافتہ اند مگر معدودے چند کہ در زمانہ سلطان ابوالحسن لوائے شہرت
برافراشتند و پارہ از ابیات ایں اعزہ بر اوراق بیاض ہائے سخن سنجان ہندوستان قلمی
نمودند بنابریں یک گونہ از اسم و رسم اینہا تعارفے باقیست انشاء اللہ تعالیٰ من بعد
چیزے ازاں مرقوم خواہد شد و از مراث حوصلہ فہم معنی آگاہان پوشیدہ نیست کہ
دماغ بیدماغاں بکاوکاو و مشقت بسیار نمی تابد ہر آنچہ معقول و سہل الحصول دید بقید
قلم درکشید و دردسرے کہ مافوق طاقت خود یافت در تحقیق و تفحص آں بقیاد وسعت
وقتے را کہ بدلش متصور نیست باندیشہ طول و طویل برباد بداد مرزا ابوالقاسم مرزا
تخلص از مخصوصان سلطان ابوالحسن عرف تاناشاہ عبداللہ گنج کہ در جوار حیدرآباد
واقع است انزوا گزید و بقیہ عمر بلباس فقر ہم انجا بسر برد ایں یک بیت بنام او
شہرت دارد ؎

مرزا وہ نونہال کدہر سٹ گئے چمن   دستا تھا جس کے ہاتھ پہ گل ڈال سوں جھپا

افضل الدین خاں فضلی تخلص بجمیع فضائل انسانی مشہور است تخصیص در شیوہ سخن سرائے
ممتاز روزگار خود بود مرزا ابوطالب می گفت کہ ایں عزیز بفرمایش شخصے در تعریف
حسن شاہزادہ مثنوی پانصد شعر با ایں ہمہ نازکے و پرکارے موزوں کردہ است کہ او را

این خدمت بدعائے خیر یاد فرمایند و از خطائے رفتہ کہ خواص بشری است اغماض نمایند مصرع ؎ کہ ہیچ نفس بشر خالی از خطا نبود

طبقۂ اول

طبقۂ اول۔ در بیان اشعار شعرائے متقدمین۔

طبقۂ دوم در ذکر کلام سخنوران متوسطین۔

طبقۂ سوم در بیان اشعار و احوال سخن طرازان متاخرین

طبقۂ اول اتفاق جمہور بر آں است کہ چوں حضرت شیخ سعدی شیرازی در ہنگام سیاحت بطرف گجرات تشریف آوردند بسبب مجاورت سومنات چنانکہ در نسخہ بوستاں مذکور است بزبان این دیار وقوف یافتہ یک دو غزل ریختہ کہ بعد ازیں مرقوم خواہد شد مع دیگر ابیات بر سبیل تفنن ارشاد فرمودند بعد ازاں حضرت امیر برہاں بنا طرازی و تعمیرہائے بسیار بکار بردند ہر چند سلیقہ سخن سنجی آں وقت دور از فصاحت ریختہ گویان حال است لیکن بپاس طبیعت مشتاقاں ہر جنس سخن دو سہ چار بیت ازاں انتخاب تبرکاً و تیمناً درین مقام قلمی مے گردد واز احوال این ہر دو بزرگوار چہ نویسد کہ مورخین سلف در کتب تواریخ متداولہ ضبط نمودہ اند اظہر من الشمس و ابین من الامس است ؎

اے مردمان شہر شما کیسی بری یہ ریت ہے | ہے ہے نمی پرسد کسے پردیسیا پریت ہے

سعدی طرح انگیختہ شہد و شکر آمیختہ | در ریختہ در ریختہ ہم شعر ہے ہم گیت ہے

خسرو

زرگر پسرے چو ماہ پارہ | کچھ گھڑیے سنوارے پکارا

نقد دل من ربود و شکست | آخر نہ گھڑا نہ کچھ سنوارا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعد حمد سخن آفرینی که بنائے مصرع موزون قامت خوباں گزاشتۂ اوست و بیت تاجن بدن ابروئے محبوباں که دل از دست می برد نگاشتۂ او و تحف تحیات بجناب رسالت مآب که ناظم حقیقی دیوان کائنات را بمصداق کلام صدق التیام لولاک برین ذات مبارکش تدوین نموده و رباعی مدارج اربعه را باچہار یار رش که چو مصراع رباعی عناصر باعث قیام عالم از حسن تزئین فرموده بضمیر مہر تنویر سخن طرازان ہندوستان و طوطیان شکر شکن این بوستان مخفی و محتجب نماند که تا الآن در تذکرہ بیان اشعار و احوال شعرائے ریختہ کتابے تصنیف نگردیده و باین زبان ہیچ انسانی از اجرائے شوق افزائے سخنوران این فن سطرے تالیف نرسانیده بنا برین فقیر مولف محمد قیام الدین قائم بعد کوشش تام و سعی تمام در تدوین این اغزه فراہم آورده پاره ابیات از ہر کدام بر سبیل یادگار در ذیل این بیاض که بمخزن نکات موسوم است بقید قلم در آورده برائے امتیاز طرز کلام طبقات متعدده که تفصیل آن پیشتر است ترکیب داده شاید که مقبول خاطر خطیر صاحبدلے گردد یا در نظر والا نظرے منظور افتد بہر حال التماس بجماعت معنی شناس آنست که این ہیچمداں را بجلد وے

صحت نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳	۳	نل بن	نل دمن	۲۱	۱۱	انجبا	نجبا	۴۰	۱۳	نوراجی	نزاجی
۳	۱۸	بنرنے	بنرلے	۲۴	۱۳	ہمنش	ہمتش	۴۱	۹	دیکھے دیکھے	دیکھی دیکھی
۸	۲	تتبنغ	تتبتع	۲۴	۱۷	ہل ہاہی	ہل ہاہے	۴۶	۱	بر سر روش	بر سر دو بیش
۹	۱۵	زاہد	زہد	۳۵	۱۷ اور ۱۸	باد و وتہبا	باد دیتہبا باد	۴۹	۱۷	سلامش	سلامتش
۱۲	۵	کبرلبسر	کھسلبسر	۳۶	حاشیہ مخالف	حکمتستان باد	〃	۷۰	حاشیہ ۹	نظیر	×
۱۹	۲۱	سکھیا	کھیسا	۳۷	۶	زانوں کو	راتوں کو	۷۹	۳	اور درخلقو	اور درخلقت

تمت

فہرست مضامین

غافل قدم کو اپنے رکھیو سنبھال کر یہاں
ہر سنگ رہگذر کا دوکان شیشہ گر ہے

کب نالہ بلائے جاں نہیں ہے
کب آفت دل فغاں نہیں ہے
کب چشم پہ ناگوار نہیں خواب
کب دل پہ نفس گراں نہیں ہے
ہے کونسا دم کہ تازہ نوحہ
سر جوش اب و دہاں نہیں ہے
کس دن تہ دل ہو رنگ اخگر
صد آتش غم نہاں نہیں
کب رات ہوی کہ چشم تر سے
جو نالۂ دل رواں نہیں ہے
سب کچھ ہے جو چاہئے مگر صبر
ایک جنس ہے وہ کہ یہاں نہیں ہے
بس تا بکجا اٹھائیں یہ غم
کیا غم میں تو غم میں جاں نہیں ہے
کہتا میں نہیں کہ ظلم ہے بد
پر خوب تو مہرباں نہیں ہے
سو بات کہوں پر اس کے آگے
گویا منہ میں زباں نہیں ہے
'قائم' سا عزیز خوار ہو حیف
کوئی ہند میں قدرداں نہیں ہے

پھرے زمانہ جہاں تک ہے ہم سے یا نہ پھرے
کسی کے پھرنے نہ پھرنے سے کیا خدا نہ پھرے
فلک رلائے تو ہے ہم کو لیک یہ ڈر ہے
کہ بلبلا سا کہیں آپ ہی بہا نہ پھرے
ہزار حیف کہ گلچیں ہے اس جگہ گستاخ
میں جس چمن میں یہ چاہوں تھا یہاں صبا نہ پھرے

تھی خبر یہی کہ رات پیارے
تم غیر کی گفتگو نہ سمجھے
سمجھو گے ہمارے بعد ہمکو
پر حیف کہ روبرو نہ سمجھے

ہائے صیاد یہ انصاف سے تیرے ہے بعید
یہاں تلک کیجئے ستم اپنے گرفتار کے ساتھہ
گرچہ بلبل ہوں میں 'قائم' ولے اس باغ کے بیچ
فرق کوئی نہ کرے گل کو جہاں خار کے ساتھہ

آج اگر بزم میں ہے کچھہ اثر پروانہ
اڑتے ہیں پاے لگن چند پر پروانہ
آتش عشق میں جلنا نہیں ہے کار آساں
ہر مگس سے نہ طلب کر جگر پروانہ
وضع پر اپنے ہے یہاں شادی و غم ہر یک کا
شام ماتم سے ہے کیا کم سحر پروانہ

ہم نشیں ذکر یار کر کچھہ آج اس حکایت سے جی بہلتا ہے
دل مژہ تک پہنچ چکا جوں اشک اب سنبھالے سے کب سنبھلتا ہے
آج 'قائم' کے شعر ہم نے سنے ہاں ایک انداز تو نکلتا ہے

جوں طفل سرشک ارغوانی پامال ہوئی مری جوانی
ہر سانس گراں ہے تن پہ میرے اللہ رے ضعف و ناتوانی
دو چیز ہیں یادگار دوراں تیرا ستم اپنی جانفشانی
ہے رشک مجھے یہاں مہر تک گو تجھسے کہے مری زبانی

وہ دن گئے کہ لوہو آتا تھا چشم تر سے
اب لخت دل ہے کوئی یا پارۂ جگر ہے

میں کہا خلق تمہاری جو کمر کہتے ہیں
تم بھی اس کا کہیں کچھہ ذکر و بیاں سنتے ہو
ہنس کے یوں کہنے لگا خیر اگر ہے یوں بات
ہوئے گی ویسی ہی جیسی کہ وہاں سنتے ہو

نے ہجر چاہتا ہوں نہ وصل حبیب کو
یا رب کہیں ہو صبر دل ناشکیب کو
وے بھی تو آدمی ہیں کہ جن سے تم کو ربط
کیا شکوہ تم سے روئیے اپنے نصیب کو

بھول کر بھی وو نہیں یاد سے جاتا اپنی
جان کر یاد سے جن نے کہ بھلا یا مجکو
کچھہ تو تھی بات خلل کی کہ شب ان نے محرم
غیر کے آتے ہی مجلس سے اتھایا مجکو

جی میں چھلیں تھیں جو کچھہ سو گئیں وہ یار کے ساتھہ
سر پتکنا ہی پڑا اب در و دیوار کے ساتھہ
اک ہمیں خار تھے آنکھوں میں سبھوں کے سو چلے
بلبلو خوش رہو اب تم گل و گلزار کے ساتھہ
میں دوانا ہوں سدا کا مجھے مت قید کرو
جی نکل جاے گا زنجیر کی جھنکار کے ساتھہ
یار رو کہتے تھے جو تم لالہ و گل ہے سو کہاں
سر پٹکنے تو نہ آیا تھا میں کہسار کے ساتھہ

رو رہے اس غم کدہ میں آج کس کس کو یہاں
دیکھتے نظروں کے اپنے اک خدائی کیا ہوئی
گو کبھی حالت سوں ہو میں سمجھوں ہوں تھوڑے
ہے تو تو وہی پہ تیری کبریائی کیا ہوئی

جوں سوبھ میرا قافلہ غافل ہے سفر سے
کیا جانے کہاں جاوے گا آیا ہے کدھر سے
کس رات میں جوں گل نہ ہوا غرق لہو میں
کس دن نہ بھری گود میری لخت جگر سے
وہ خار یتیمی زدہ اس دشت میں میں ہوں
پالا ہے جسے آبلہ نے خون جگر سے

دمبدم اس بخشش بیجا کو کیا کہتے ہیں شرم
دل دیا تجکو تو ہم نے کچھ گلہ گاری نہ کی

اگرچہ صبح تلک ہمدگر تھے گرم سخن
یہ کہہ سکا نہ کچھ اس سے میں بات مطلب کی
سوائے دل شکنی سب مباح ہے یہاں شیخ
خبر نہیں تجھے رندوں کے دین و مذہب کی
سوال بوسہ جو قائم کیا میں شب تو کہا
کہ کیجئے چھیڑ کہیں اور جاکے اس ڈھب کی

دم قدم تک ہے ہمارے ہی جنوں کی رونق
اب بھی کوچوں میں کہیں شور فغاں سنتے ہو

تک تو خاموش رکھو منہ میں زباں سلتے ہو
اپنی ہی کہتے ہو میری بھی میاں سلتے ہو
سنگ کو آب کریں پل میں ہماری باتیں
لیکن افسوس یہی ہے کہ کہاں سلتے ہو
خشک و تر پھونکتی پھرتی ہے سوا آتش عشق
بچیو اس آنچ سے اے پیر و جواں سلتے ہو

کچھہ لکھوں سوز دل اپنا سے اُسے اے قاصد
جائے کاغذ ہو اگر بال و پر پروانہ
شمع تک جاتے تو دیکھا تھا میں اس کو 'قائم'
پھر نہ معلوم ہوئی کچھہ خبر پروانہ
'قائم' سمجھہ کے بولیو تو آپ کے حضور
پیارے معاملت ہے سخن آشنا کے ساتھہ

یہ سب دیکھی جن نے وہ زلف | لاکھوں دیکھے روز سیاہ
اٹھیو تو مت ہو جلد نسیم | ہم بھی چمن تک ہیں ہمراہ
کوندی ہے دل پر برق سی آج | پڑی نظر ہے کس کی نگاہ
وعدہ کر کے رات کا تم | خوب ہی آئے واہ جی واہ
'قائم' سے کیوں ہوئے خفا | بندہ خادم دولت خواہ

شیخ جی آیا نہ مسجد میں وہ کافر ورنہ ہم
پوچھتے تم سے کہ اب وہ پارسائی کیا ہوئی

آوے خزاں چمن کی طرف گر میں رو کروں
غنچہ کرے گلوں کو صبا گر میں بو کروں
'قائم' یہ جی میں ہے کہ تقلید سے شیخ کی
اب کے جو میں نماز کروں بے وضو کروں

یوہیں رنجش ہو اور گلا بھی یوہیں
ہو چے ہر بات پر خفا بھی یوہیں
کچھ نہ ہم کو ہی بھاگیا یہ طور
واقعی یہ کہ ہے مزا بھی یوہیں
صید کنجشک سے نہ ہاتھ اٹھا
آکے پھنس جائے ہے ہما بھی یوہیں
کیوں نہ روؤں میں دیکھ خندۂ گل
کہ ہنسے تھا وہ بے وفا بھی یوہیں ۰

نگاہوں سے نگاہیں سامنے ہوتے ہی جب لڑیاں
یکایک کھل گئیں دونوں طرف سے دل کی پھر کلیاں*

کمال جگ میں سزاوار ناز ہے یہ سچ
پہ ناز کرنے کو انساں میں کچھ کمال بھی ہو۰

عاشق نہ تھا میں بلبل کچھ گل کے رنگ و بو کا
ایک انس ہوگیا تھا اس گلستاں سے مجھکو

---

* (ق) کھل چھڑیاں

تا کجا امتحان صبر کہ شوخ
دل ہے آخر یہ کچھ جماد نہیں

سچ ہیں سارے کمال حضرت شیخ
لیک دل کو کچھ اعتقاد نہیں

میں کہا عہد کیا کیا تھا رات
ہنس کے کہنے لگا کہ یاد نہیں

ہوجئے کس سے داد خواہ بتاں
اس ستم کی جہاں میں داد نہیں

یار اگر چاہتا ہے دے 'قائم'
جان کچھ دل سے تو زیادہ نہیں

جوں شیشہ بھرا ہوں مے سے لیکن
مستی سے میں اپنی بے خبر ہوں

جو کہئے سو یہاں سے ہے فروتر
کہا جانے میں کس مقام پر ہوں

کونسا دن کہ مجھے اس سے ملاقات نہیں
لیک جی چاہے ہے جوں ملنے کو وہ بات نہیں

ہوس ہے عشق کی اہل ہوا کو ہم تو میاں
سنے سے نام محبت کا زرد ہوتے ہیں

عبث ہیں ناصحا ہم سے زخود رفتوں کی تدبیریں
رکے ہے بحر کب گو موج سے ہوں لاکھ زنجیریں

ہماری آہ سے آگے تو پتھر موم ہوتے تھے
پھر کیا جانے وہ اب کیدھر گئیں نالے کی تاثیریں

گریباں کی تو 'قائم' مدتوں دھجئیں اڑائی ہیں
یہ خاطر جمع اس دن ہوے جب سینے کو ہم چیریں

کرنہ جرات تو اے طبیب کہ یہ دل کا دھڑکا ہے اختلاج نہیں
دو جہاں بھی ملے تو بس ہے ہمیں یہاں کچھ اِتلی تو احتیاج نہیں

مجلس مے سے مشابہ ہے خرابات جہاں
جان کر یہاں جو نہو مست وہ هشیار نہیں
مے کی توبہ کو مدت ہوی قائم لیکن
بے طلب اب بھی جو مل جاے تو انکار نہیں

جو کوی در پہ ترے بیٹھے ہیں دونوں عالم سے پھرے بیٹھے ہیں
جوں نم اشک تو کس سے ہے خفا یہاں کوی پل میں گرے بیٹھے ہیں
دردِ دل کیونکر کہوں میں اس سے ہر طرف لوگ گھرے بیٹھے ہیں

کہاں کا غرہ شوال کہسا عشرہ ذی حج کا
ہمیں ساتھ آے مے جس دن ہم اُس دن عید کرتے ہیں
مزاج خس ہے اہل عشق کا جلنے کے عالم میں
جلاتا ہے جو اُن کو اس کی یہ تائید کرتے ہیں
یہ کاسہ سر تلے رکھے جو میخانوں میں سوتے ہیں
جسے چاہیں اُسے اک جام میں جمشید کرتے ہیں
جنہیں کچھ سلسلہ میں عشق کے تحقیق حاصل ہے
وہ کب مجنوں سے ہر گمراہ کی تقلید کرتے ہیں
نہ جانے کہئے کس قالب میں 'قائم' دردِ دل اُس سے
نہیں بنتی زباں سے دل میں جو تمہید کرتے ہیں

'قائم' جگہ ہے رونے کی یہ حالت تبا ہ

اس صحن گلستاں کے وہ ہیں دل فگار ہم
کھٹکا صبا کے پانو کا سن کر برنگ بو
آغوش گل میں ہوتے تھے نت بے قرار ہم
کیا جانتے تھے ہم کہ یہ اک دن بہے گی باو
اس مرتبہ کو ہو ئیں گے بے اقتدار ہم

میرا سا لب و لہجہ کہاں مرغ چمن میں
گل کترو ہوں سو رنگ کے میں طرز سخن میں
غربت میں مرا حال جو دیکھے ہے تو قاصد
زنہار نہ کہیو اسے یاران وطن میں

ایک جا گہ یہ نہیں ہے مجھے آرام کہیں
ہے عجب حال مرا صبح کہیں شام کہیں
پاے دیوار سے پھر میری طرح وہ نہ اٹھا
جس نے دیکھا تجھے یک بار سر بام کہیں
عذر تقصیر بھی چاہوں گا میں اس سے اے دل
تنگ تو خاموش ہو دینے سے وہ دشنام کہیں
عزم کعبے کا تو 'قائم' تو کیا ہے لیکن
رہن مے کیجو نہ وہاں جامۂ احرام کہیں

وایک آب و تاب مہ و آفتاب رکھتے ہیں
یہ روکشی کی تری کب وہ تاب رکھتے ہیں

ں کہتا میں دل ترک تمنا یہ جتنی ہو سکے اتنی ہوس کر
ب باغباں پڑ ہو کے غافل نہ اے بلبل اکتیے خاروخس
عمر ہے 'قائم' کوئی دن اسے جوں گل پیارے کاٹ ہنس

ھ ہے اثر ایسی ہی جو اپنی کشش دل
جی لیجی کے چھوڑے گی یہ ایک دن خلش دل
تھا نیو مجھے آمد میں کوئی اس کی کہ ناگاہ
ہے جائے نہ گھر سے کہیں باہر طپش دل
زہر آب و ہلاہل سے جو کچھ کام نہ نکلا
وے کر کے میں کی خون جگر پرورش دل
کس طرح کوئی گذرے ترے رہ سے پیارے
ہر گام پر اس کوچے میں ہے چپقلش دل
ہاتھوں سے دل و دیدہ کے آیا ہوں بہت تنگ
آنکھوں کو روؤں یا میں کروں سرزنش دل

اب کے جو یہاں سے جائیں گے ہم پھر تجھکو نہ منہ دکھائیں گے ہم
مشکل ہے نہ آنا تجھ گلی سیں پر یہ بھی سہی نہ آئیں گے ہم
جو آگے کہا کئے ہیں تجھ سے سو اب کے وہ کر دکھائیں گے ہم
ایسا ہی جو دل نہ رہ سکے گا تک دور سے دیکھ جائیں گے ہم
آزردہ ہو غیر سے لڑو یہاں اس عہدے سے بر نہ آئیں گے ہم
گر زیست ہے تجھ تلک تو پھر کہا صدقے ترے مر ہی جائیں گے ہم
جوں چاہئے چاہ کا سر رشتہ جیتے ہیں تو کر دکھائیں گے ہم
اُس پر بھی اگر ملیں گے تو خیر 'قائم' ہی نہ پھر کہائیں گے ہم

ظالم تو میری سادہ دلی پر تو رحم کر
روٹھا تھا تجھ سے آپ ہی اور آپ ہی من گیا

کچھ آج دل پہ یہ وحشت کا رنگ ہے صیاد
ترے قفس سے چمن مجھ پہ تنگ ہے صیاد

گرفتہ طبع جو مجھ سا چھٹا قفس سے تو کیا
رہائی جس کی اسیری کا ننگ ہے صیاد

نہ گل بجا نہ بلبل چمن میں نغمہ سرا
مری خلاصی میں اب کیا درنگ ہے صیاد

قفس کی تنگی سے میں ہی نہ تنگ ہوں 'قائم'
مری بھی تنگیء حالت سے تنگ ہے صیاد

کی کس کی نگاہوں نے یہ تاثیر ہوا پر
چلتی ہے جو یہ برق سی شمشیر ہوا پر

جی میں ہے' یہاں آج نگہ کی تری تڑپھن
کھینچے قلم برق سے تحریر ہوا پر

مت قصر کو ہستی کے گرا' دیکھ کہ غافل
مانند حباب اُس کی ہے تعمیر ہوا پر

کب بند ہوں برنگ تعلق میں سبک روح
کھنچتی ہے کوئی رنگ سے تصویر ہوا پر

ل نہ زندگی بسر کر　　گر اشک نہیں تو آہ سر کر
ول امل نہ وقت پیری　　ہوئی صبح فسانہ مختصر کر
طرفہ مرض ہے زندگی بھی　　اس سے جو کوئی جیا سو مرکر

چھپ کے ترے کوچے سے گزرا ہوں لیک — نالہ ایک عالم کو خبر کر گیا

تا بفلک نالہ تو پہنچا تیا رات — میں ہی کچھ اللہ کا ڈر کر گیا

پوچھ نہ قائم کٹی کیونکر عمر — جوں ہوا یک چند بسر کر گیا

فلک جو دے تو خدائی تو لے نہ اب 'قائم'

وہ گن گئے کہ ارادہ تھا بادشاہی کا

بے دماغی سے نہ اس تک دل رنجور گیا

مرتبہ عشق کا یہاں حسن سے بھی دور گیا

برنگ طائر نو ہم اسیر اے صیاد

وہ ہیں کہ جن کا گلوں بیچ آشیانا تھا

معاملہ یہ ہے دل کا اسے کہیے گا وہ کیا

پیامبر کے ہمیں آپ ساتھ جانا تھا

یہ سچ کہ جھوٹ ہے دعوائے دوستی لیکن

کبھی ہمیں بھی تو اک بار آزمانا تھا

رہبر فرقۂ اسلام رہا ساری عمر

حیف پر یہ ہے کہ میں آپ مسلماں نہ ہوا

دیکھ مجکو کہ سلیماں کا دیا زور مجھے

ایک چیونٹی سے یہ میں دست و گریباں نہ ہوا

تھا گل تازہ میں پر حیف کہ بخت بد سے

زینت گوشۂ دستار عزیزاں نہ ہوا

چھوٹے چھوٹے قصے اور حکایتیں منظوم کی ہیں
کے کلام میں مشترک پائی جاتی ہیں —

انتخاب

قائم کے پہلے تین شعر عام طور پر مشہور ہیں اور بہت
ہوے ہیں :-

دل کچھہ کہا نہیں جاتا   آہ چپ بھی رہا نہیں جاتا

*کعبہ اگرچہ ٹوٹا تو کیا جاے غم ہے شیخ
کچھہ قصر دل نہیں کہ بنایا نہ جائے گا

قسمت کو دیکھہ ٹوٹی ہے جاکر کہاں کمند
کچھہ دور اپنے ہاتھہ سے جب بام رہ گیا
نے تجھہ پہ وہ بہار رہی اور نہ یہاں وہ دل
کہنے کو نیک و بد کے ایک الزام رہ گیا

اٹھہ جاے گر یہ بیچ سے پردہ حجاب کا
دریا ہی پھر تو نام ہے ہر ایک حباب کا
کیوں چھوڑتے ہو درد تہ جام سے کشو
ذرہ ہے یہ بھی آخر اسی آفتاب کا
ایسی ہوا میں پاس نہ ساقی نہ جام ہے
رونا بجا ہے حال پہ تیرے سحاب کا
اس دشت پر سراب میں بھٹکے بہت پہ حیف
دیکھا تو دو قدم پہ ٹھکانا تھا آب کا

پھر کے جو وہ شوخ نظر کر گیا   تیر سا کچھہ دل سے گزر کر گیا
خاک کا سا ڈھیر سر رہ ہوں میں   قافلۂ عمر سفر کر گیا

---

* (ن) ٹوٹا جو کعبہ کون یہ —

حاصل ہوتی ہے —

قائم نے اپنے تذکرے کے ساتھ اپنے کلام کا انتخاب بھی دیا ہے، لیکن یہ انتخاب بہت ہی کم ہے اور وہ بھی الف کے چند شعر ہیں - اس لئے ہم یہاں اس کے کلام سے کچھ اور اشعار بھی درج کرتے ہیں تا کہ سخن فہم اُس کے کلام کی خوبی کا اندازہ کر سکیں —

لیکن انتخاب سے قبل ایک بات میں اور کہناچاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ بعض نظمیں سودا اور قائم دونوں کے کلیات میں مشترک پائی جاتی ہیں - مثلاً موسم سرما کے ہجو میں جو مثنوی ہے اور جس کا مطلع یہ ہے :—

شردی اب کے برس ہے اتنی شدید،
صبح نکلے ہے کانپتا خورشید

دونوں کے کلیات میں بے کم و کاست درج ہے - لیکن یہ نظم غالباً سودا کی ہے کیونکہ اسی کے ساتھ کی دوسری مثنوی موسم گرما کے ہجو میں موجود ہے۔ لیکن میر حسن کے تذکرے کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسے 'قائم' ہی کی مثنوی خیال کرتے ہیں - ایک اور طویل عشقیہ مثنوی جس کا پہلا شعر یہ ہے :—

الٰہی شعلہ زن کر آتشِ دل تب دل دے بقدرِ خواہشِ دل

لطف یہ ہے کہ مثنویوں کے آخر میں سودا کے کلیات میں سودا کا اور قائم کے کلیات میں قائم کا تخلص موجود ہے - اس سے صحیح فیصلہ کرنا اور بھی دشوار ہوجاتا ہے۔ مگر ہمارا قیاس یہ ہے کہ یہ مثنوی قائم ہی کی ہے جو غلطی سے سودا کے کلیات میں درج ہوگئی ہے - اسی طرح اور کئی مثنویاں

معلوم ہوتا ' لیکن سعدی کے نام سے جو ایک مشہور غزل فارسی اردو کی ملی جلی چلی آرہی ہے ' اس کی نسبت عام طور پر یہی خیال تھا کہ شیخ سعدی شیرازی کی تصنیف ہے۔ میر صاحب نے اپنے تذکرے میں اس خیال کی تردید کی ہے۔ سعدی کے بعد امیر خسرو کا ذکر کیا ہے اور پھر دوسرے قدیم شعرا کا۔

ہر طبقے کے شروع میں اُس طبقے کے شعرا کی خصوصیات کا مختصر ذکر کردیا ہے اور اُن کی رائے اس بارے میں بہت خوب اور صائب ہے۔ بعض بعض شعرا کے کلام کے متعلق بھی رائے کا اظہار کیا ہے لیکن یہ بہت کم ہے۔ اس خصوص میں میر صاحب کے تذکرے کو فوقیت حاصل ہے۔ بیان صاف اور سیدھا ہے' عبارت آرائی اور تشبیہ و استعارہ سے کم کام لیا ہے۔ تذکرے کے آخر میں قائم نے اپنا ذکر بھی مختصر طور پر کیا ہے' جس میں وہ لکھتے ہیں کہ "ہر چند از باشندگان قصبۂ چاندپور است اما از بدو شعور تابایں حال بتوسل نوکری بادشاہی بدارالخلافت شاہجہاں آباد گذرا ندہ"۔ اس سے زیادہ اس تذکرے میں ان کے حالات کے متعلق کچھ نہیں ملتا۔ اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ دہلی سے رخصت ہونے سے قبل ہی یہ تذکرہ تحریر میں آگیا تھا ' کیونکہ اس کے بعد ہی وہ لکھتے ہیں کہ شاہی انتظام میں خلل آجانے کی وجہ سے میں نے سفر کا ارادہ مصمم کرلیا تھا ' لہذا فرصت کو غنیمت سمجھ کر ان حالات کو قلم بند کرنا شروع کردیا۔

قائم کی شاعری کے ساتھ یہ تذکرہ بھی بلا شبہ قابل قدر ہے اور اس سے اردو شعرا کے حالات اور کلام کے متعلق بصیرت

طبقۂ سوم میں متاخرین کا ذکر ہے - اگرچہ میر تقی میر نے بھی اپنے تذکرۂ نکات الشعرا میں دکن کے شعرا کا ذکر کیا ہے' لیکن قائم نے اس کا زیادہ اہتمام کیا ہے - چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

"باید دانست کہ چوں فن ریختہ دراں وقت از محل اعتبار ساقط بود" ، بناءً علیہ ہیچ کس بر توغل آں اقدام نمی نمود' ایں دو سہ چار بیت کذائی کہ بنام اساتذۂ معتبر مرقوم است اغلب کہ منشاے نظمش ہزلے بیش نباشد' اما بعد ازیں بسمت بلاد دکھن در عہد عبداللہ قطب شاہ کہ با سخنوراں بہ صحبت و سواسہ پیش می آمد' ریختہ گفتن بزبان دکھنی بسیار رواج گرفت" ۔

اگرچہ عبداللہ قطب شاہ کے عہد سے اس کی ابتدا قرار دینا صحیح نہیں کیونکہ اس سے قبل سلطان قلی قطب شاہ اور محمد قلی قطب شاہ خود بڑے شاعر گزرے ہیں' تاہم 'قائم' نے دکھنی ریختے کو خاص اہمیت دی ہے - اگرچہ وہ اس شاعری کے زیادہ قائل نہ تھے' چنانچہ ان کا شعر مشہور ہے:—

قائم میں غزل طور کیا ریختہ ورنہ
ایک بات لچر سی بزبان دکنی تھی

قائم نے طبقۂ اول کی ابتدا شیخ سعدی شیرازی سے کی ہے اور لکھا ہے کہ اس پر جمہور کا اتفاق ہے کہ جب شیخ سعدی گجرات میں تشریف لائے اور جیسا کہ 'بوستاں' میں مذکور ہے سومنات کی مجاوری تو یہاں زبان سے واقفیت حاصل کر کے ایک دو غزلیں ریختے میں لکھیں ۔ اگرچہ یہ صحیح نہیں

کلام ہر صنف میں موجود ہے - غزلی' رباعی' قطعہ' مثنوی' قصیدہ' ترکیب بند' تاریخ سب کچھ کہا ہے ۔ ہجو کہنے اور فحش بکنے میں وہ اپنے استاد کے ہم پلہ ہے - متعدد مثنویاں لکھی ہیں' جن میں بعض قصے سلیقے سے نظم کئے ہیں۔ قصیدوں میں بھی زور پایا جاتا ہے —

اکثر تذکرہ نویسوں نے اُن کے تذکرۂ شعرا کا ذکر کیا ہے' جو اب تک نایاب تھا اور اب شائع کیا جاتا ہے - قائمؔ کا دعویٰ ہے کہ اس سے قبل کوئی تذکرہ شعرائے ریختہ کے بیان میں نہیں لکھا گیا - یہ دعویٰ صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ اس سے دو چار سال قبل میر تقی میر اور علی الحسینی گردیزی نے اپنے تذکرے لکھے تھے' معلوم ہوتا ہے کہ 'قائم' کو ان تذکروں کی اطلاع نہ تھی' لیکن ڈاکٹر شپرنگر کا یہ کہنا کہ 'قائم' نے جو اقتباسات ریختے کے شاعروں کے دیے ہیں' وہ وہی ہیں جو گردیزی کے تذکرے میں پائے جاتے ہیں' صحیح نہیں ہے - دونوں تذکرے ہمارے سامنے ہیں' اشعار کے انتخابات اور حالات دونوں مختلف ہیں —

خواجہ اکرم نے اس تذکرے کے لئے ایک قطعۂ تاریخی لکھا تھا جس میں مادۂ تاریخ "مخزن نکات" تھا' 'قائم' کو یہ مادہ پسند آیا اور تذکرے کا یہی نام رکھ دیا - اس سے سنہ تالیف ۱۱۶۸ھ نکلتا ہے - اس میں 'قائم' سمیت ۱۱۴ شعرا کا تذکرہ ہے - اگرچہ یہ تذکرہ مختصر ہے' مگر بعض حالات کے لحاظ سے بہت قابلِ قدر ہے - قائم نے اسے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے - طبقۂ اول میں متقدمین کا' طبقۂ دوم میں متوسطین کا اور

ریختہ گوئی نظام کا نہیں یہ اسلوب ہے ' راقم
آثم کو تو طور گویائی کا اس سخن آفریں کے
نہایت مرغوب ہے " —
آزاد کی رائے ہے کہ
" ان کا دیوان ہرگز میر و مرزا کے دیوان سے
نیچے نہیں رکھہ سکتے مگر کیا کیجیے کہ قبول عام
کچھہ اور شے ہے ' شہرت نہ پائی" —
میر 'حسن ' فرماتے ہیں کہ
"طرزش بطرز طالب آملی میماند۔ مثنوی ہا بسیار
گفتہ و بسے در ہائے معانی سفتہ کہ کسے کم گفتہ"۔
کریم الدین (فیلن) کی رائے ہے کہ
" عجب طرح کا شاعر خوش گفتار ' بلند مرتبہ'
موزوں طبع ' عالی مقدار ہے کہ اس کی برابری
اچھے اچھے شاعر نہیں کر سکتے .... بعض بعض
آدمی جو کہ اس کو ' سودا ' سے بہتر کہتے ہیں '
حق یہ ہے کہ سچے ہیں اور بعضے کم مایہ اور
بے استعداد جو اس کو برابر ' سودا ' کے گنتے ہیں
خیال سودا اور دیوانگی کا کرتے ہیں "—
بخلاف اس کے شیفتہ کی رائے میں انہیں ' سودا ' کا ہم پلہ
سمجھنا سودا ہے - البتہ وہ ان کے قطعات و رباعیات کی
بہت تعریف کرتے ہیں —
اس میں شک نہیں کہ ' قائم ' بہت بڑا شاعر ہے ' لیکن اسے
میر و مرزا کا ہم رتبہ کہنا سراسر نا انصافی ہے - اس

انھیں کامیابی ہوئی مگر رام پور پہنچنے کی اجل نے امان نہ دی او
سنہ ۱۲۰۸ھ میں انتقال کر گئے -

اُن کے سنہ وفات میں بہت اختلاف ہے - مصحفی نے وفات
کوئی سنہ نہیں لکھا، صرف اتنا لکھا ہے کہ رام پور سے
انتقال کی خبر پہنچی - مصحفی کا تذکرہ ۱۲۰۷ - ۱۲۰۸ھ
میں لکھا گیا ہے - علی ابراہیم (اور لطف) فیلن اور کریم الدین
سنہ ۱۲۱۰ھ بتایا ہے - 'شیفتہ' اور بعض اور تذکرہ نویسوں نے
ی اسی کو نقل کر دیا ہے - گارسان دتاسی نے سنہ ۱۲۰۷ھ
لکھا ہے - 'جرأت' نے 'قائم' کے انتقال کی تاریخ اس
شعر سے نکالی ہے :—

جرأت نے کہی یہ رو کے تاریخ وفات — یکتائی کے ساتھ
'قائم' بنیاد شعر ہندی تھی — کیا کہئے اب آہ

اس مصرع سے سنہ ۱۲۰۸ھ ہی نکلتے ہیں اور
یہی صحیح ہے —

'قائم' کی شاعری کی سب تذکرہ نویسوں نے تعریف کی ہے
اور اکثر نے میر و مرزا کے بعد اسی کو مانا ہے - بعض تو اسے
'سودا' سے بھی بڑھ کر مانتے ہیں - مصحفی لکھتے ہیں:—

"در پختگی کلام و چستی مصراع غزل و رویۂ
قصیدہ و مثنوی وغیرہ موافق رواج زمانہ
دوش بدوش استاد راہ می رود، بلکہ در بعضے
مقام غلبہ ہم می جوید" —

علی ابراہیم یا لطف کہتے ہیں :—

"سچ تو یہ ہے کہ بعد سودا اور میر کے کسی

لیکن کچھ عرصے بعد جب امور سلطنت میں اختلال پیدا
ہوا اور امن و امان اور فارغ البالی جاتی رہی تو یہ باکمال
لوگ جن کی بدولت دلی دلی تھی' ایک ایک کرکے رخصت
ہونے لگے اور وہ صحبتیں جو شعر و سخن کی جان تھیں' خواب
و خیال ہوگئیں - قائم بھی دل برداشتہ ہوکر وہاں چلے آئے اور
کچھ دنوں ٹانڈے میں نواب محمد یار خاں کی سرکار میں
بسر کی - مصحفی بھی اُن دنوں اسی سرکار کے متوسل تھے -
دونوں کی ملاقات یہیں ہوئی - مصحفی لکھتے ہیں کہ اُس
وقت وہ لباس درویشی میں تھے - نواب بڑی فیاضی سے اہل علم
کی سرپرستی کرتے تھے اور شعر و سخن سے خاص ذوق رکھتے
تھے - چنانچہ قائم نے اپنی غزل کے ایک مقطع میں اس کی
طرف اشارہ کیا ہے :-

تجھ کو قائم رکھے اللہ بہت سا اے 'امیر'
مجتمع سایہ میں ہیں جس کے سخنداں اتنے

امیر' نواب محمد یار خاں کا تخلص تھا - تین ماہ سے زیادہ
نہ رہنے پائے تھے کہ یہاں بھی انقلاب رونما ہوا جو ہندوستان
میں اس وقت ہرجگہ بپا تھا - قائم مجبور ہوکر رام پور چلے
گئے اور نواب فیض اللہ خاں والیء رام پور کے بھتیجے احمد یار خاں
نے اُن کی کچھ تنخواہ مقرر کردی اور فوجی خدمت انجام
دیتے رہے - لیکن اس تنخواہ میں ان کی بسر نہ ہوتی تھی'
جب زیادہ پریشان ہوے تو لکھنؤ پہنچے اور راجہ تکیت
رائے سے اپنے وطن کے عامل کے نام رقعہ اور پروانے حاصل کیے
تاکہ اپنی قدیمی ملک اور یومیہ بحال کرائیں - اس میں